وقولهم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن

الحمد للہ کہ کتاب مستطاب نافع خاص و عام دافع وساوس و اوہام المسمے

شہادت القرآن

باعلی الندآء

بان المسیح رفع حیاً الی السماء

من تصنیف خادم سنت حافظ محمد ابراہیم میر سیالکوٹی

ماہ رجب سنہ ۱۳۲۱ھ میں

مطبع مفید عام سیالکوٹ میں چھپکر مفید خاص و عام ہوئی

(بار اول)
تعداد جلد ۷۰۰
قیمت

بسم الله الرحمن الرحيم

الحمد لله الذى عنت لجلال عزته وجوه الابطال بالذل والابتهال
وتخشعت لكمال حكمته اعناق اكابر الرجال ⁘ يدبر الامر من السما
الى الارض بغير احتياج ويخلق مايشاء بلا امزاج وعلاج ⁘ اعز لديه ماوى
المؤتضين والملتجئين اليه واكرم مثوى المنقطعين اليه والمتوكلين عليه
لا يعزب عنه مثقال ذرة ولا يعجزه شيئ وهو العليم القدير ⁘ لا يعقب على
ما يحكم ولا يسئل عما يفعل وهو العزيز الحكيم الخبير ⁘ ارسل الرسل بالحق
وانطقهم بالصدق ⁘ فاوضح المحجة ولم يدع لاحد الحجة ⁘ فصلى الله تعالى
على جميعهم وسلامه ولى النعم ورب الكرم خصوصاً على خيرتهم
وصفوتهم المخصوص بعموم الدعوة وختام النبوة الذى نصب معالم
الهدى للورى ورقى فى مدارك العلاء ومعارج السماء الى الغاية القصوى
المخبر عما يكون من المختعوره بالفتن والشرور ومحدثات الامور

واختار الله لتصدیق کلمۃ مسیح ابن مریم الذی ینزل من السماء بالحکم والعلم وعلی آلہ الاطہار واصحابہ الاخیار وخلفائہ الابرار الذین بلغوا عنہ باللسان والسنان والقلم۔ وضربوا اعناق الجبابرۃ والدجاجلۃ اولی الکبائر والوخم۔ فمن اقتدی بہم فقد رشد واہتدی ومن ابتغی غیر سبیلہم فقد ضل وغوی۔

اما بعد پس بندہ ضعیف مسمی خلیل اللہ الحنیف ارباب فطنت وتحقیق واصحاب خبرت وتدقیق کی خدمت میں عرض پرداز ہے کہ اس زمان بغی وطغیان میں ہر شخص جداگانہ مذہب وطریقہ بنائے بیٹھا ہے اور اُسی میں فلاح عقبےٰ اور صلاح دُنیا سمجھتا ہے ظلمت فلسفہ اُن پر ایسی چھائی ہے کہ اپنے خیالات مخترعہ کی تصدیق کیلئے نہ تو کتاب آسمانی کی ضرورت سمجھتے ہیں اور نہ قائد ربانی حکیم حقانی صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بیان وافی کی حاجت باوجود قلت بضاعۃ اور قصور باع کے میدان اجتہاد کے شہسوار بنتے ہیں اور انہیں اوہام باطلہ ووساوس عاطلہ پر نجات کے متمنی۔ ایسے ہی لوگوں کے مناسب حال کسی نے کیا اچھا کہا ہے

وکل یدعی وصلا بلیلی ولیلی لا تقر لہم بذاکا

ہر ایک اپنے لئے ایک الگ مسلک بنائے ہوئے ہے اور سلف صالحین رح کی اتباع کو جن کے بار احسان سے ہم کبھی بھی سبکدوش نہیں ہوسکتے چھوڑے ہوئے الا ماشاء اللہ۔ متقدمین اسلام کو اصول وشرائع سے ناواقف بتاتے ہیں اور خود وحی والہام کے دعاوی باطلہ جتاتے ہیں چنانچہ حال میں مرزا غلام احمد ساکن قادیاں ضلع گورداسپور نے اپنے لئے مسند مسیحی تجویز کی۔ اور رفتہ رفتہ منبر محدثیت پر جائے گیر ہوئے اور پھر شرف ابن اللہ ہونیکا دعوے کیا ہے۔ عوام کالانعام کو یہ دھوکا دیا کہ قرآن شریف کے کسی مقام سے ثابت نہیں کہ حضرت مسیح ع اسی خاکی جسم کے ساتھ آسمان کی طرف اُٹھائے گئے۔ بلکہ قرآن شریف کے کئی مقامات سے مسیح کے فوت

فوت ہوجانیکا صریح ذکر ہے"۔ (ازالہ کادیانی صہ ۴۶)

جب اس فرقہ مبتدعہ مرزائیہ کو کوئی پچھلی تفسیر نہ بنائیں تو کفار کی طرح اساطیر الاولین کہہ کر جھٹ انکار کردیتے ہیں اور اگر ان کے روبروے حدیث نبوی صلعم پڑھیں تو اسے بوجہ بے علمی کے مخالف و معارض قرآن بناکر دور پھینکدیتے ہیں اور اپنی تفسیر بالرائے کو جو حقیقت میں تحریف و تاویل منہی عنہ ہوتی ہے موید بالقرآن کہتے ہیں بیچارے کم علم لوگ اس سے دھوکا کھاجاتے ہیں اور ورطہ ترددات و گرداب شبہات میں گھرجاتے ہیں۔

ولئن فسح اللہ فی مدتی ووفقنی بمزید کرمہ لاصنفن فی التوفیق بین الحدیث والقرآن رسالۃ تروی الغلیل وتشفی العلیل وماتوفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب ۔ سو ایسے شبہات کے وقت میں اللہ عزیز حکیم نے مجھ عاجز کو محض اپنے فضل وکرم سے راہِ حق کی ہدایت کی اور ہر طرح سے ظاہراً و باطناً معقولاً و منقولاً مسئلہ حقہ سمجھایا۔ چنانچہ عنفوان شباب میں ۱۸۹۱ء میں حضرت مسیح علیہ السلام کی زیارت بابرکت سے مشرف ہوا۔ اس طرح کہ آپ ایک گاڑی پر سوار ہیں اور بندہ اسکو آگے سے کھینچ رہا ہے اس حالتِ باسعادت میں آپ سے کادیانی علیہ ماعلیہ کی نسبت عرض کی آپنے زبانِ وحی ترجمان سے بالفاظِ طیبہ یوں جواب فرمایا کہ کوئی خطرے کی بات نہیں اللہ تعالے اُس کو جلدی ہلاک کردیگا۔

اس بشارۃِ صالحہ و رویائے صادقہ کے بعد شوقِ علوم عربیہ دل میں بھر گیا مگر بسبب چند امور کے اس اشتیاق کو جنب میں رکھے ہوئے مدرسۂ انگریزی ہی میں تعلیم پاتا رہا۔ دفعتہً ۱۸۹۶ء میں قابدِ ازلی کے اشارہ سے تمنّائے قلبی کو پورا کرنے کے لئے کالج کو چھوڑ دیا اور بہمہ تن علوم عربیہ کے حاصل کرنیمیں مصروف ہوگیا۔ الحمد للہ کہ تھوڑی مدت میں جو کچھ مقدر تھا بھرپایا۔ مسئلہ حیات و نزول مسیح علیہ السلام کو کتب تفسیر و حدیث سے تحقیق کیا اور سب کو رفع آسمانی و نزول بار ثانی پر متفق پایا۔ مگر جب اس

فرقہ مبتدعہ کا یہہ طریق دیکھا کہ وہ تفاسیر و احادیث کو نظر حقارت سے دیکھتے ہیں
تو اتماماً للحجۃ صرف قرآن شریف ہی سے مسایل متنازعہ کو حل کرنا شروع کیا۔ سو الحمد للہ
کہ دامن مراد کو گوہر مقصود سے بھر لیا اور علوم عقلیہ کے ہر نا معقول اغراض کو محض
قرآن کریم ہی سے دفع کیا۔ جب علوم ظاہرہ سے عقیدہ حیات و نزول مسیح ؑ کو صحیح کر لیا
تو پھر باطنی طور پر فیضان الٰہی کا کرشمہ دیکھنا چاہا چنانچہ شعبان ۱۳۱۹ھ میں جب بندہ
حفظ قرآن شریف میں مشغول تھا ایک رات بکمال تضرع و ابتہال درگاہ ایزد متعال
میں عرض پرداز ہوا اور دیکھا کہ ایک نہایت سفید کاغذ رسول اللہ صلے اللہ علیہ
وآلہ وسلم کی طرف سے بہ ایں الفاظ ان عیسےٰ حیّ فی السماء و سینزل عند قرب الساعۃ
مکتوب مجھے میرے پیش کیا گیا۔ اس رویائے حقہ سے بندہ کا سینہ باغ باغ ہو گیا اور
نور اور معرفت کے پھولوں سے بھر گیا۔ القصہ ۱۹۰۲ء میں شہر سیالکوٹ میں بموافق کثیرہ
بعض احباب کے اصرار سے حضرت مسیح ؑ کی حیات فی السماء کو مع دیگر مسائل کے بنصوص
قرآنیہ بیان کیا جس سے اللہ تعالیٰ نے منکرین کو بالکل پست کر دیا اور بہت سے مذبذبین
اور متردین کو شاہراہ عقیدت پر چلایا۔ رفتہ رفتہ دوسرے شہروں میں آوازہ بلند ہوا
اور خطوط طلبی آنے لگے بندہ نے سمجھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی گاڑی کو چلانیوالا اخواب
سچا ہوا چاہتا ہے لہذا برادران دینی کی استدعا کو بسر و چشم منظور کر کے محض تبلیغ دین کے
لئے کئی سفر کئے چنانچہ وزیر آباد اور ضلع گوجرات شہر جہلم شہر راولپنڈی کے شہر امرتسر شاہ پور
میں سفر کر کے اسقدر وعظ کئے کہ اکثر لوگ مطمئن ہو گئے اور بعض مرزائی تائب ہو کر
کادیانی کے دام کید سے بچ گئے۔ فرقہ مرزائیہ کے بعض مدعیان علم سے پسرور سیالکوٹ وزیر آباد
دکھاریاں موضع کملا تحصیل کھاریاں ضلع گوجرات شہر جہلم میں مباحثات و مناظرات
بھی ہوئے ان سب مواضع میں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندہ کو غلبہ دیا۔ اور مخالفین کو حجت
میں مغلوب کیا چنانچہ بعض کو ہلاک کیا اور بعض کو بیماری میں مبتلا کیا اور بعض کو ندامت

کے دریا میں غرق کیا ۔ جہلم میں کادیانی کے سامنے کھڑے ہو کر صدہا مسلمانوں کے درمیان مسئلہ حیات و رفع مسیح علیہ السلام صرف قرآن شریف سے بیان کیا اور کادیانی کو زبانی و تحریری طور پر تحقیق حق کی طرف دعوت کی مگر وہ اسپر ہاں نہ کر سکا پر نہ کر سکا اور اب بھی نہ کر سکیگا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ ۔ آخر الامر اہل پشاور جزاھم اللہ خیراً میں سے ایک مخلص کے مشورہ سے اس مضمون کو قلمبند کیا تاکہ اللہ تعالیٰ گم گشتگانِ بادیہ ضلالت کو کادیانی کے کید سے بچا کر شاہراہ عقیدت و ہدایت پر لاوے ۔ اور نیز ہر محقق کے پاس ان دلائل ساطعہ و براہین قاطعہ کا ذخیرہ ہو جائے ۔

اس کتاب میں ایک مقدمہ اور دو باب ہیں ۔ مقدمہ دربیان تشریح سنۃ اللہ باب اوّل میں دو فصلیں ہیں ۔ فصل اوّل دربیانِ عدم مصلوبیت حضرت مسیح ؑ اور اس کا نام ضربا بالیمین لکسر صلیب الملحدین ہے ۔ فصل ثانی در اثبات حیاتِ حضرت عیسیٰ علیہ السلام و رفع جسمی باب ثانی بوجہ ضخامت کتاب بسبب وفورِ اشتیاقِ شائقین اس کتاب میں درج نہیں کیا گیا ۔ انشاء اللہ تعالیٰ

حصہ دوم کے شروع میں ضم کیا جائیگا ۔

سو اس کتاب کو اللہ تعالیٰ ودود کے نام سے شروع اور ہر امر سہل و صعب میں صرف اُسی کی طرف رجوع کرتا ہوں ۔ والالتماس من کرام الناس ان یعفوا الزلل ویسدوا الخلل لان جهد المقل مشکور وباذل الوسع معذور وان ارید الا الاصلاح ما استطعت وما توفیقی الا باللہ علیہ توکلت والیہ انیب وھو حسبی ونعم الوکیل ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم اللھم تقبل منی کما تقبلت من عبادک الصلحین واغفر لی خطیئتی یوم الدین واجعل لی لسان صدق فی الآخرین ۔ انت ربی وانت حسبی وانت لی نعم المعین

المقدمۃ

قال اللہ تبارک وتعالیٰ ولنجعلہ اٰیۃً للناس (مریم) وقال وجعلنٰھا وابنھا اٰیۃ للعالمین (انبیاء) وقال وجعلنا ابن مریم وامہ اٰیۃً (مومنون) وقال وجعلنٰہ مثلاً لبنی اسرائیل (زخرف) طریق تعلیم اسی نہج پر چلا آیا ہے کہ جب لوگ مسبب حقیقی سے غافل ہوکر اسباب کی طرف متوجہ ہوجاتے ہیں تو اللہ عزیز حکیم اُن کے مزعومات کو باطل کرنے کے لئے اپنی قدرت کے کرشمے ظاہر کیا کرتا ہے حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادتِ باسعادت کے وقت طب اور فلسفہ کا بڑا چرچا تھا۔ اور ظاہر ہے کہ ان علوم کا مدار اسباب ہی پر ہے شب و روز کے توغل نے اُن کے اذہانِ قاصرہ میں یہی مزین کردیا ہوا تھا کہ کوئی امر بغیر سبب وعلاج وترکیب ومزاج کے پیدا نہیں ہوسکتا۔ سو اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے اُن کے اس واہی خیال کے ابطال کے لئے حضرت مسیح علیہ السلام کو بطورِ خرقِ عادت بے باپ پیدا کیا۔ اور پیدائش کے ساتھ ہی نطقِ فصیح وبیان بلیغ کی طاقت دی اور ایسے مریضوں کو جن کے علاج سے اطباء عاجز ہوں بغیر اسباب کے اُن کے ہاتھ پر شفاء دی اور معجزہ اعادہ حیات جو طاقت بشری سے باہر ہے اُن کے ہاتھ پر ظاہر کیا۔ اور خلق حیات جو اس سے ابعد ہے وہ بھی حضرت مسیح علیہ السلام کے ہاتھ پر اپنی قدرت کاملہ سے کر دکھایا اور صعود الی السماء جسے فلاسفہ محالات میں شمار کرتے تھے۔ حضرت مسیح علیہ السلام کو آسمان پر چڑھا کر ثابت کیا اور فلاسفہ کے اس خیال کو کہ مرورِ زمانہ اور گردش زمان کے اثر سے ہر چیز متغیر و مستحیل ہوجاتی ہے۔ حضرت مسیحؑ کے مسئلہ نزول سے باطل کیا +

اسی امر کی تفہیم کے لئے اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت معنونہ میں فرمایا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے بے باپ پیدا کرنے میں یہ حکمت مضمر ہے کہ ہم اسے کل جنوں اور انسانوں کے لئے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی ایک عظیم الشان آیت اور نشانی بنانا چاہتے ہیں۔ پس بموجب اس آیت کے ضروری ہے کہ حضرت مسیح ؑ کے جس امر میں اختلاف پڑے رفع تنازع کے لئے وہ قول اختیار کیا جاوے جو آیت یعنی نشانی بن سکے۔ کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام من الفرق الی القدم آیۃ اللہ ہیں ورنہ پھر آپ کے آیت بنانے کے کچھ معنے نہیں پس اس آیت سے عیسیٰ علیہ السلام کے متعلق پانچ امر قابل ذکر معلوم ہوئے۔ اوّل ولادت بلا باپ دوم تکلم فی المھد سوم معجزات۔ چہارم صعود الی السماء پنجم۔ نزول من السماء چونکہ ان اصحاب نے جنہوں نے بکمال اشتیاق طبع کا مشورہ دیا۔ یہی فرمایا ہے کہ پہلے مضمون حیات مسیح چھپ جائے۔ اور پیچھے دوسرے مضامین شائع ہوں اس لئے فی الحال صرف اسی مسئلہ امر چہارم کو شائع کیا جاتا ہے امید ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ گم گشتگانِ بادیہ ضلالت کو اس مضمون کے مطالعہ سے شاہراہ ہدایت پر لاویگا۔

سوال آیاتِ مصدرہ میں حضرت مریم علیہا السلام کے شان میں بھی لفظ آیت وارد ہے۔ تو حضرت مریم میں یہہ سب امر کہاں پائے جاتے ہیں؟۔

جواب حضرت مریم علیہا السلام کو جس امر میں اللہ تبارک و تعالیٰ نے آیت کہا ہے بے شک وہ اس میں آیت ہیں اور وہ امر ولادتِ مسیح ؑ بلا باپ ہے اسی لئے موضع تثنیہ میں لفظ مفرد یعنے آیت کہا۔ کیونکہ اس امر میں دونوں کا حال مجموع ایک آیت ہی اور اس کی نظیر قول الٰہی ھُنَّ اُمُّ الکتٰب ہے کہ ھن جمع کی خبر ام واحد ہے کیونکہ مجموع محکمات ایک شئی ہیں اور مجموع

تشابہات شئی دیگر - اب حضرت مریم علیہا السلام کا لفظ آیت میں حضرت مسیح علیہ السلام
کے مساوی نہ ہونا ظاہر ہوگیا بلکہ یہ ثابت ہوا کہ ایک امر اُن میں مشترک ہے اور کئی
امور میں وہ متفرق ہیں۔ اما الاشتراک ففی انھا ولدتہ من غیر بعل واما الافتراق
ففی التکلم فی المھد والمعجزات الدالۃ علی صدق النبوۃ والرفع الی السماء
والنزول منھا فی اٰخر الزمان - کیونکہ کسی مسئلہ کے اثبات کے لئے کتاب وسنت
میں اس کے اصل کا وجود ضروری ہے - اسی لئے قید اختلاف ضروری سمجھی گئی
ہے اور ظاہر ہے کہ قرآن شریف میں امور افتراقیہ کا ذکر حضرت مریمؑ کی نسبت نہیں
ہے اس لئے ہم ان امور میں آپ کو آیت بھی نہیں کہہ سکتے - کیونکہ لفظ آیت اللہ
سے نتیجہ امور خارقہ للعادات اتفاقیہ ہے ضروری نہیں اور اتفاقیہ کے لئے ذکر
ضروری ہے - اسی طرح فرعون کے حق میں بھی لِتَکُوْنَ لِمَنْ خَلْفَکَ اٰیَۃً وارد
ہے اور وہ عدو اللہ کو دریا میں ہلاک ہونے اور پھر ذلت کے ساتھ ساحل پر پڑے رہنے
میں ہے - جیسا کہ سیاق آیت اس پر شاہد ہے - اور اسی طرح عزیر علیہ السلام کے
شان میں جو ولنجعلک اٰیۃ للناس آیا ہے وہ بھی اعادہ معدوم کا تحتِ قدرتِ باری
ہونے کے بارے میں ہے نہ ہر امر میں - کیونکہ امور مسیحیہ حضرت مریم اور حضرت عزیر
علیہ السلام اور فرعون علیہ اللعنۃ کے حق میں وارد نہیں ہوئے - اس لئے ہم اُن کو
ان امور میں آیت بھی نہیں گردان سکتے - فافھم وتدبر . . .

اس مقدمہ میں تہافۃ الفلاسفہ اور مضمون سنۃ اللہ کا ذکر بھی ضروری ہے - کیونکہ
اسی خیال نے زمانہ حال کے نازک خیال لوگوں کو بادیہ اوہام میں سرگردان کر رکھا
ہے کہ فلاں امر کو فلسفہ رد کرتا ہے اور فلاں امر سنت اللہ کے خلاف ہے کادیانی
کا ازالہ بھی انہیں شبہوں سے بھرا پڑا ہے - مثلاً صفحہ ۴۵ میں یوں رقمطراز ہیں :—
ماسوا اس کے اور کئی طریق سے ان پرانے خیالات پر سخت سخت اعتراض

عقل کے وارد ہوتے ہیں ازانجملہ ایک یہ اعتراض ہے کہ نیا اور پرانا فلسفہ بالاتفاق اس بات کو محال ثابت کرتا ہے کہ کوئی انسان اپنے اس خاکی جسم کے ساتھ کرہ زمہریر تک بھی پہنچ سکے۔ الی آخرہ۔ کادیانی کے اس بیان سے فلسفے میں اسکا کمال معلوم ہو گیا اور خود اُس نے اقرار کر لیا کہ وہ فلاسفہ کے مقابلہ میں مخلصی نہیں پا سکتا۔ اور یہی وجہ اُس کو انکار کی نظر آئی۔ انشاء اللہ ہم حسب موقع فلسفی اعتراضوں کا بھی جواب دینگے اور لطف یہ کہ فلاسفہ کے ممتنعات کو قرآن شریف ہی سے ممکنات ثابت کر دکھائیں گے اور روشن کر دینگے کہ فلاسفہ کے اعتراض اوھن من بیت العنکبوت ہیں اور جو شخص باتباع فلاسفہ قرآن کریم کے بیان کی تحریف کرے وہ جاہل مطلق ہے نہ وہ قرآن شریف کا عالم ہے اور نہ فلسفہ سے واقف ÷

تہافۃ الفلاسفہ
و
مضمون سنۃ اللہ

اللہ تبارک وتعالے نے انسان کی طبیعت میں ایک امر ودیعت کر رکھا ہے جو اُسے ہر امر کی لِمَ اور کیف کی نسبت سوال کرنے پر مجبور کرتا ہے۔ یہہ سوال دو طرح پر ہوتا ہے۔ اول استفسار جس کو دوسرے لفظوں میں زیادۂ ایمان تا حدِ اطمینان اور حکمت کی طلب کہنا چاہئے۔ جیسے سوال حضرت خلیل اللہؑ کا بہ نسبتِ کیفیتِ احیاءِ موتےٰ فی قولہ تعالیٰ رب ارنی کیف تحیي الموتیٰ قال اولم تؤمن قال بلیٰ ولکن لیطمئن قلبي دوم امر مسئول عنہ کی بنسبت دل غبارِ شبہ سے مکدر ہو جیسے استبعادِ کفار بہ نسبتِ معاد فی قولہ تعالےٰ من یحیي العظام وھی رمیم

سو صورتِ اولیٰ مدارج ایمانیہ میں سے ہے۔ اور صورتِ ثانیہ کفر و ضلالت۔

بعض جہال خصوصاً زمانہ حال کے نازک خیال بے علمی اور کم ظرفی کی وجہ سے کسی امرِ حق مبین فی القرآن کو جب نہیں سمجھ سکتے تو علوم عقلیہ کے ہر غلط اور نامعقول نقض و اعتراض کو اپنے خالی از حکمۃ دماغ میں جگہ دیکر اپنے ایمان اور اسلام سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں اور مع ہذا الضعف کسی ماہر علوم نقلیہ و فنونِ عقلیہ و کامل در مدارج عملیہ کے خدمت میں حاضر ہو کر غبار شبہ کے دور کرنے کو عار سمجھتے ہیں۔ رفتہ رفتہ ان اعتراضات سے متاثر ہو کر معتقداتِ اسلامیہ و عقائد سلفیہ سے سوءِ ظنی رکھنے لگتے ہیں۔ کیونکہ اگر زنگ آلودہ لوہے کو صیقل نہ کیا جائے تو اُسے زنگ کھا جاتا ہے۔ پھر اس بد اعتقادی کو اسلامی رنگ میں ظاہر کرنے کے لئے دین متین کی محکم دیوار میں رخنہ تلاش کرتے ہیں اور سلف صالحین رحمہم اللہ کی اس نصیحت کو گوشِ دل کا گوشوارہ نہیں بناتے اور نظرِ غائر سے نہیں دیکھتے کہ جس امر کا تجھے علم نہ ہو اُسے اُس کے عالِم کے سپرد کر۔ اور خود اس میں قدم نہ رکھ۔ الغرض جو لوگ کسی مسئلہ حقہ بینہ فی القرآن والحدیث پر عقلی اور فلسفیانہ حملے کرتے ہیں حقیقت میں وہ اُس امر کے منکر ہوتے ہیں۔ عامہ مسلمین کو دھوکہ دینے کے لئے اپنے اوہام باطلہ کی تائید میں قرآن و حدیث میں سے تاویلات رکیکہ سے استدلال کرتے ہیں اور قاعدہ نفسیں القول بما لایرضٰی بہ قائلہ کو دستور العمل بناتے ہیں سو ان مؤلین کی تاویلات کاسدہ اوھن من بیت العنکبوت ہوتی ہیں اور ایسے ہی اُنکے انتحالات باطلہ مثلِ حباب برسرِ آب ہ

اس طریق عوج و دستور کج سے ان مؤلین مبطلین کی دو جہالتیں ثابت ہوتی ہیں اوّل یہ کہ چونکہ جملہ مسائل اسلامیہ کیا اعتقادیہ اور کیا عملیہ سب کے سب اللہ

عزیز علیم حکیم کے تعلیم کردہ ہیں اور صنعت انسانیہ کا ان میں دخل نہیں اور نہ عقل انسانی انکا احاطہ کرسکتی ہے۔ اسلئے جو متعقل اس مسئلہ کو ثابت نہیں کرسکتا۔ یہ اُس کے اپنے قصور علم کے سبب ہے نہ بوجہ غلط ہونے اس مسئلہ کے۔ ان متعقلین جاہلین سے جب کبھی اقلیدس کی کوئی شکل حل نہ ہو تو اُس کے دعوے کو کبھی غلط نہیں کہتے بلکہ اپنی کم ظرفی کا اعتراف کرتے ہیں۔ مگر قرآن مجید اور حدیث شریف کا کوئی مسئلہ حقہ سمجھ میں نہ آنے پر جھٹ انکار اور تذبذب اور بداعتقادی ظاہر کر دیتے ہیں۔ وجہ یہ ہے کہ مسائل قرآنیہ کی نسبت اپنے ادراک و عقل کے شیشے کے مکدر ہونے کے معترف نہیں۔ کاش! ان عقل کے اندھوں اور دانائی کے چوروں کو شریعت حقہ پر اشکال اقلیدس کے برابر ہی اعتقاد ہوتا ہے

گر مسلمانی ہمیں است کہ حافظ دارد ۔ وائے گر پس امروز شود فردائے

دوم یہہ کہ اس متعقل مبطل نے جو شواہد و نظائر قرآن شریف سے پیش کئے ہیں اُن کو بے محل ذکر کرنے سے یہہ ثابت ہوا کہ اُس کا ادراک ان آیات کے فہم سے عاجز ہے۔

مسائل قرآنیہ پر کبھی حمقاء یونان کے ظنون فاسدہ سے حملے کئے جاتے ہیں اور کبھی اغبیاء انگلشیہ کے آراء کاسدہ سے باب ایرادت مفتوح کیا جاتا ہے اور اس سے غافل ہیں کہ یہہ لوگ انبیاء علیہم السلام کے مدارج عالیہ کو نہیں پا سکتے۔ اور نور نبوت کے ادنے مستفیض کے مراتب کو نہیں پہنچ سکتے۔ یہہ لوگ رویت حق سے اعمیٰ ہیں اور تکلم بکلمۃ الحق سے اخرس و ابکم اور استماع حق سے اصم۔ میدان علم میں بس لس پا ہوتے ہیں۔ اور میزان عمل میں بہت ہلکے۔ اپنے اوقات عزیزہ کو امور موہومہ کی موشگافیوں میں کھو دیتے ہیں۔ اور اکتساب انوار نبویہ کا موقع کبھی نہیں پاتے۔ نور نبوت سے مستفیض ہوتا ایمان کا کام ہے

نہ فلسفہ و مغلطہ کا۔ فلسفی کا مدارج روحانیہ میں بنہایت اسفل ہونا اُن میں کسی کے نفسِ ناطقہ کا نورِ نبوت سے مجلّےٰ نہ ہونے سے صاف ظاہر ہے اور مراتبِ ولایت میں سے جو عبارت عرفان الٰہی سے ہے کسی منزل کو طے نہ کرنا اُن کی قوتِ ریاضت و تحمل شدائد میں سخت کچا ہونے پر دلیل بیّن ہے۔ یہہ اسی لئے ہے کہ نورِ نبوت فلسفی کا حصہ نہیں اور یہہ لوگ اس مرغزار کے چرندے نہیں +

امام غزالی رح نے اس باب میں ایک کتاب تہافۃ الفلاسفہ لکھی ہے جو حال میں مصر سے طبع ہو کر آئی ہے۔ آپ نے اس میں فلاسفہ کے ظنون و خبطوں کا ذکر کیا ہے اور اُن کے اپنے اصول مسلمہ سے اُن کی تغلیط کرکے اُن پر الزامات قایم کئے ہیں۔

علم اسلام یقینی ہے۔ کیونکہ یہہ ثبت بالوحی ہے۔ اور فلسفہ خود فلاسفہ کے نزدیک بھی ظنی ہے۔ ظنی کو یقینی پر ترجیح دینا بد اعتقادی کا ثمرہ اور سوءِ ظنی کا نتیجہ نہیں تو اور کیا ہے؟ کیا آپ دیکھتے نہیں کہ ہر قرن کے فلسفی اپنے متقدمین کی تجہیل و تغلیط کرتے اور اُن کی تحقیقات کو مضحکہ بناتے رہتے ہیں۔ جو امر فلاسفہ متقدمین نے بڑی عرقریزی اور جانفشانی سے معلوم کئے تھے۔ اور اُن کے سبب اپنے زمانے میں اُستاد کامل تسلیم کئے جاتے تھے۔ وہ متاخرین کے نزدیک جہل و نادانی سے زیادہ قبیح القاب پاتے ہیں۔ مثلاً حکماء یونان نے آگ۔ ہوا۔ پانی۔ مٹی۔ کو عنصر قرار دیا تھا۔ اور اسی اصل پر اتنے اصول و فروع متفرع کئے کہ گویا قدرت الٰہیہ کا احاطہ کر بیٹھے ہیں۔ حال کے فلسفیوں نے مرکب ثابت کرکے اس پرانی عمارت کو بالکل منہدم کر دیا اور بمصداقِ ع ہر کہ آمد عمارت نو ساخت اصولِ جدیدہ وضع کئے فلاسفہ پیشین فلک کو متحرک اور تعداد میں نو اور زمین کو ساکن جانتے تھے۔ حال کے نازک خیال وجودِ آسمان سے ہی

منکر اور حرکت ارضیہ کے مثبت و مُقر ہیں۔ اُن کی تحقیق ایسی محوق ہے کہ کوئی ان میں سے قِدم عالم کا قائل ہے۔ اور کوئی وجود واجب الوجود سے منکر۔ کوئی نبوت کو نہیں مانتا۔ اور کوئی قیامت پر یقین نہیں لاتا۔ اسقدر اختلاف و بداعتقادی کے ہوتے کس کے مقلد بنوگے۔ اور کس کو جاہل قرار دوگے؟ جب اُنکی تحقیق مسلم ہے تو قِدم عالم کا اقرار اور نبوت و آخرت سے انکار کیوں نہیں کرتے ہو؟ پس جب ان امور مذکورہ میں اُن کو اپنا پیشوا نہیں جانتے تو تعلیم الٰہی کی تصدیق کے لئے اُن کی آراء فاسدہ اور اہوار کاسدہ کی طرف کیوں رجوع کرتے ہو؟

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی مرضیات و سخطات کی نسبت انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل کی ہے۔ فلاسفہ کو اس کی اطلاع نہیں کی۔ بلکہ فلاسفہ پر بھی اتباع و اطاعت انبیاء فرض کی ہے۔ جب انبیاء علیہم السلام پر وحی نازل ہونیکا ایمان ہے۔ تو اُن امور کا جو انبیاء علیہم السلام نے بوحی الٰہی تعلیم کئے ہیں فلسفیوں کے اوہام باطلہ اور مغالطات عاطلہ سے کیوں انکار کرتے ہو۔ کیا انبیاء علیہم السلام کی وحی پر اُن کی تحقیق کو جو حقیقت میں ظن ہے ترجیح ہے کہ اندھا دھند اُن کے خطوات پر دوڑے اور آثار نبویہ کو چھوڑے جاتے ہو۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس طائفہ متبعہ ہوا کے احوال سے قرآن شریف میں مواضع کثیرہ میں خبر دی ہے اور اُن کے آراء و اہوا کو ضلالت اور بے علمی اور ظن اور خرص یعنے اٹکل پچو تک لگانا فرمایا ہے اور صرف وحی کو حَکَم ذکر کیا ہے چنانچہ سورہ انعام میں فرمایا۔ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ اَبْتَغِيْ حَكَمًا وَّهُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ اِلَيْكُمُ الْكِتٰبَ مُفَصَّلًا الآیۃ . . . . اور اس کے بعد فرمایا۔ وان تطع اکثر من فی الارض یضلوک عن سبیل اللہ ان یتبعون الا الظن و ان ھم الا یخرصون (پارہ ہشتم) اور اس قوم ناعاقبت اندیش کے انکار قیامت کی نسبت فرمایا۔ وقالوا ما ھی

الاحیاتنا الدنیا نموت ونحیا و ما یھلکنا الا الدھر ما لھم بذالک من علم ان ھم الا یظنون (جاثیہ) اور ان کے مجادلہ فی صفات اللہ کی بابت فرمایا ومن الناس من یجادل فی اللہِ بغیر علم ولا ھدی ولا کتب منیر ثانی عطفہ لیضل عن سبیل اللہ اور فرمایا ومن الناس من یجادل فی اللہ بغیر علم ویتبع کل شیطن مرید۔ (انبیاء) ان آیات میں ان کے مزعومات وموہومات کو ظن۔ خرص۔ بے علمی۔ مجادلہ بغیر علم و ہدایت وکتاب منیر۔ ضلالت وضلال اور اتباع شیطان کہا۔ اور صاف ظاہر کر دیا کہ اتباع کے لایق اور حکم بننے کے قابل اور نور ایمان بخشنے والی صرف کتاب اللہ ہی ہے۔ اور اس کو چھوڑ کر اکثر من فی الارض جن سے مراد یہی طایفہ خراصین ہے انکی اطاعت سے ضلالت عن سبیل اللہ نصیب ہوتی ہے۔ اعاذنا اللہ منہا۔

حقیقت میں سیل اسلامی کے سامنے اُن کے اوہام باطلہ ایک تنکے کی بھی حقیقت نہیں رکھتے اور ایسے ہی اُنکی تاویلات رکیکہ

(۱) رفع الی السمآء کے مقابلہ میں کشش ثقل کے ہزار عذر پیش کرتے ہیں۔ مگر جب انسان ضعیف البنیان اپنے ناتوان بازو سے ایک پتھر اوپر کو پھینک دے تو ہرگز انکار نہیں کرتے۔ کیا یہہ رمی حجر اس امر کی مشعر نہیں کہ جب ضعیف البنیان انسان اس قلیل مقدار خداداد طاقت سے زمین کی بے حد طاقت کو مغلوب کر لیتا ہے تو کیا وہ عزیز ومقتدر مالک الملک حضرت مسیح روح اللہ وحضرت محمد رسول اللہ صلے اللہ علیہما وسلم کو اُن کے مبارک جسموں سمیت نہیں اُٹھا سکتا۔ بلیٰ وھو علی کل شیئ قدیر وانا علی ذٰلکم من الشاھدین۔

(۲) پرندے باوجود کثیف الجسم ہونے کے جو سمآء میں اُڑتے پھرتے آسمان کی طرف چڑھتے اور پھر اُترتے ہیں۔ مگر یہ متعقل اتنا بھی تو نہیں سمجھتے کہ جس

قادر ذوالجلال نے پرندوں کو یہ جناح (پر) دیئے ہیں اور یہ طاقتِ طیران بخشی ہے اُس نے فرشتوں کو بھی اولی اجنحۃٍ مثنٰی وّ ثلاث و رباع بنایا ہے۔ تو ان کے نزول وصعود کو کون مانع ہے۔ اور اسی طرح جس طرح وہ پرندوں کو اوپر جانے کی طاقت دینے پر قادر ہے۔ حضرت مسیح علیہ السلام اور رسول اللہ کو بھی اوپر لیجانے پر قادر ہے۔

(۳) کرہ ہوائی سے باہر جاکر ہوا کے بغیر زندہ رہنے کو محال سمجھتے ہیں۔ اور اذ انتم اجنۃ فی بطون امھاتکم پر غور کر کے نہیں سمجھتے کہ جنین کا مُونہہ بند ہوتا ہے اور اس کی خوراک بطریق ناف پہنچتی ہے۔ اسی طرح اس کارخانہ قدرت میں ہزارہا مثالیں موجود ہیں۔ جن سے ایک متدبر مومن اپنے ایمان کو تقویت دے سکتا ہے۔

(۴) ہزارہا حیوان بے مادر و پدر پیدا ہوتے ہیں بلکہ یہہ منتقل اپنے ہی بُطون سے خارج ہوتے دیکھتے ہیں۔ مگر عیسےٰ علیہ السلام کا بے پدر پیدا ہونا اُن کی باریک عقل میں نہیں سما سکتا۔ سنریھم اٰیٰتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق

بعض لوگ آیت ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا کو امتناعِ خرقِ عادۃ میں پیش کر کے عقائدِ اسلامیہ سے پھر جاتے ہیں۔ حقیقت میں وہ اس قول و خیال میں سخت غلطی پر ہیں۔

اوّل یہہ کہ اُنہوں نے اس آیت ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا کا مطلب ہی بقاعدہ تغیر القول بما لا یرضے بہ قائلہ اُلٹ سمجھا ہے۔

دوم اسلئے کہ اگر بالفرض تسلیم بھی کرلیا جاوے تو بھی اُن کا مقصود حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ جس امر کو ان متعقلین نے اس آیت سے محال جانا ہے اولاً ضروری ہے کہ اسے سنت اللہ ثابت کرلیں کیونکہ حکم عدم تبدیل سنت اللہ

میں موثر ہوگا نہ غیر سنت اللہ میں۔ پس جب یہ لوگ اس امر کو سنت اللہ ثابت نہ کرسکیں تو اس کا انکار جہالت ہے۔

واضح ہو کہ کسی امر کو سنت اللہ ثابت کرنے کے دو طریق ہیں۔ اول اللہ تبارک تبارک تعالیٰ نے کسی امر کو اپنی سنت کہا ہو دوم اس کارخانۂ قدرت کے انتظام پر نظر کرکے کسی امر کو سنت اللہ قرار دینا۔ پس اگر اس کارخانۂ قدرت میں فی الخارج کوئی ایسی چیز موجود ہو جو اُن کی قرارداد سنت الٰہیہ کے منافی ہو تو پھر وہ اس امر کو سنت الٰہیہ نہیں کہہ سکینگے اور ظاہر ہے کہ بعض مشاہدات مختص بزمان ہوتے ہیں کہ خاص خاص اشخاص اُنکو دیکھ کر فایدہ حاصل کرتے ہیں۔ اور بعض مختص بمکان کہ ان حوادث کا وقوع مقامات مخصوصہ میں ہوتا ہے۔ اور بعض مختص بزمان ہوتے ہیں کہ اُن کا وقوع ایک زمان مخصوص سے متعلق ہے۔ پس بنی آدم کے مشاہدات و مجربات آپس میں مساوی التعداد نہیں ہیں۔ پھر چونکہ طبایع جو اخذ علم کا وسیلہ ہیں متفاوت الاستعداد ہیں اسلئے ہر شخص کے کسی امر کو حاصل کرنے کی کیفیت اور اُس کے ادراک کی حیثیت بھی یکساں نہیں ہے۔ پس جب کوئی امرِ عجیب حادث ہو تو اُسے موافق و داخلِ قانونِ قدرت ماننا پڑیگا نہ کہ خلاف و خارج۔ پس وہ امر جسے انسان اپنے محدود تجربہ و مشاہدہ سے عادت اللہ و سنت اللہ سمجھ بیٹھا تھا عادت اللہ نہیں رہیگا۔ پس اس کی تبدیل بھی جایز ہوگی پھر انسان یا تو خود اپنے مشاہدے سے علم حاصل کرتا ہے یا کسی مخبرِ صادق کی خبر سے۔ پس ثبوتِ خرق عادت کے لئے یا تو اپنی رویت کافی ہے ورنہ مخبر صادق کی خبر۔ مثلاً اجرام فلکیہ کی نسبت حکمائے یونان کا خیال تھا۔ کہ یہ قابل خرق والتیام نہیں ہیں جب صحابہ رضؓ نے معجزہ شق القمر کا مشاہدہ کیا تو اُسے داخل قانون سمجھینگے اور چونکہ اس کا ذکر قرآن شریف و صحیح بخاری میں موجود ہے اسلئے مخبر صادق کی

خبر سے اُس پر ایمان لاوینگے کہ فلاں امر جیسے اُس کے وقوع سے پیشتر محال عادی شمار کیا جاتا تھا فلاں وقت فلاں نبیؑ کے ہاتھ پر واقع ہوا۔ حاصل کلام یہہ کہ معجزات وخوارق عادات مندرجہ قرآن واحادیث صحیحہ واجب الاعتقاد ہیں۔ کیونکہ خرق عادۃ جیسا کہ پہلے ثابت کیا گیا ہے امر ممکن الوقوع ہے اور ہر ممکن باخبار مخبر صادق قابلِ اعتماد واعتبار ہوتا ہے۔ اور پھر چونکہ خبر کا اعتبار مخبر کی حیثیت پر موقوف ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی صفتِ صدق کی نسبت فرمایا ہے ومن اصدق من اللہ حدیثا (النساء) لہذا معجزات قرآنیہ کا انکار کفر ہے۔ کیونکہ اس سے کذب باری لازم آتا ہے اور صحابہ رضؓ کی نسبت فرمایا۔ وکذٰلک جعلنٰکم امۃ وسطا اور نیز فرمایا کنتم خیر امۃ اخرجت للناس اور رسول اللہ صلعم نے انکی نسبت فرمایا لیبلغ الشاھد الغائب منکم جس سے نبی صلعم کا تبلیغ دین کے لئے صحابہ رضؓ کو وکیل منتخب کرنا ثابت ہوتا ہے۔ لہذا صحابہ عدول وصدوق ہیں۔ پس معجزات حدیثیہ بھی مثل قرآن شریف واجب الاعتقاد ہیں۔ خلاصہ یہہ کہ معجزات وخرق عادت کے ثبوت کے لئے مخبرِ صادق کی سخت ضرورت ہے۔

پھر اگر حسب شرائط مذکورہ یہ بھی ثابت ہو جائے کہ فلاں امر سنت اللہ ہے اور وہ آیت لن تجد لسنۃ اللہ تحویلا میں داخل بھی ہے۔ پھر بھی اس کے معنے یہہ نہ ہونگے کہ سنت اللہ قابل تبدل نہیں بلکہ اس کا معنے یہہ ہوگا۔ کہ سنت اللہ کو کوئی اللہ تعالیٰ کے سوائے نہیں بدل سکتا۔ کیونکہ تبدیل اور تحویل متعدی مصدر ہیں اور اُن کے معنے بدلنا اور ٹلنا نہیں بلکہ بدلانا اور ٹالنا جیسے کہ فرمایا لامبدل لکلمتہ اور ولا مبدل لکلمٰت اللہ

آیت لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا وامثالھا کی صحیح تفسیر یہہ ہے۔ کہ ان آیات میں سنت اللہ سے مراد عذاب الٰہی ہے۔ سو اس عذاب کی نسبت اللہ تعالیٰ

فرماتا ہے کہ میرے بھیجے ہوئے عذاب کو نہ کوئی بدل سکتا ہے اور نہ ٹال سکتا ہے اس کے سمجھنے کا آسان طریق یہ ہے کہ یہہ الفاظ قرآن مجید میں جس جس جگہ وارد ہوئے ہیں طالب مشتاق ان مواضع کو نکال کر ماقبل و مابعد پر نظر کرے تو ساتھ ہی عذاب الٰہی کا ذکر بالتصریح موجود ہوگا۔ اور قاعدہ نظم وارتباط قرآن اس کو مجبور کردیگا کہ اس جگہ سنت اللہ عبارت ہے عذاب الٰہی سے۔ چنانچہ وہ سب مواضع رحیز تحریر میں لائی جاتی ہیں۔

اوّل سورہ بنی اسرائیل وان کادوا لیستفزونک من الارض لیخرجوک منها واذا لایلبثون خلفك الا قلیلا سنة من قد ارسلنا قبلک من رسلنا ولا تجد لسنتنا تحویلا اس موضع پر صاف مذکور ہے کہ کفار مکہ پیغمبر صلعم کو مکہ شریف سے خارج کرنا چاہتے تھے۔ حق تعالیٰ نے آپ کی تسلی فرمائی۔ کہ اگر آپ کو نکالینگے تو خود بھی نہ رہینگے۔ کیونکہ انتقام انبیا راز اعدا رہماری سنت قدیمہ ہے۔ اور یہہ کبھی محول نہ ہوگی ۔ اسی سورت بنی اسرائیل میں فرعون کی نسبت فرمایا فاراد ان یستفزھم من الارض فاغرقنہ ومن معہ جمیعا وقلنا من بعدہ لبنی اسرائیل اسکنوا الارض گویا سنۃ من قد ارسلنا قبلک من رسلنا کی ایک نظیر بھی ذکر فرمادی۔

موضع ثانی۔ سورہ احزاب لئن لم ینتہ المنٰفقون والذین فی قلوبھم مرض والمرجفون فی المدینۃ لنغرینک بھم ثم لا یجاورونک فیھا الا قلیلا ملعونین اینما ثقفوا اخذوا وقتلوا تقتیلا سنۃ اللہ فی الذین خلوا من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ اس میں بھی عذاب الٰہی کا صاف ذکر ہے۔

موضع ثالث۔ ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ فھل ینظرون الا سنۃ الاولین فلن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا ولن تجد لسنۃ اللہ تحویلا۔

موضع رابع۔ ولو قاتلکم الذین کفروا لولوا الادبار ثم لا یجدون ولیا ولا نصیرا سنۃ اللہ التی قد خلت من قبل ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا

اس مضمونِ عدم تبدیلِ عذابِ الٰہی کو مواضع کثیرہ میں بالفاظ دیگر بیان کیا ہے گویا وہ آیات تفسیر ہیں سنۃ اللہ کی چنانچہ فرمایا سورہ انعام میں ولا یرد بأسہ عن القوم المجرمین۔ اور سورہ یوسف میں ولا یرد باسنا عن القوم المجرمین اور سورہ مومن کے اخیر میں فرمایا فلم یک ینفعھم ایمانھم لما راوا بأسنا سنۃ اللہ التی قد خلت فی عبادہ وخسر ھنالک الکفرون

اس بیان و تفصیل سے طالب ذکی پر واضح ہو گیا کہ متعقلین کا انکار خرقِ عادۃ کے لئے آیت لن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا سے تمسک کرنا بغایت ضعیف بلکہ بالکل باطل ہے جس امر کو اللہ تعالےٰ اظہارِ قدرت کے لئے قوت سے فعل میں لاوے اُس کو خلافِ سنت اللہ کہہ کر رد کر دینا قوتِ ایمانیہ کے از حد ضعف کا نتیجہ ہے۔

تنبیہ

اثباتِ مدعا کے لئے صرف قرآن شریف سے تمسک کیا گیا ہے اور رفعِ تنازع کے لئے کوئی امر ایسا نہیں لکھا گیا جسکی تائید کتاب اللہ سے نہ ہوتی ہو خواہ اس امر کو تفسیر سے لکھا ہے خواہ استعداد خدا داد سے سمجھا ہے۔ غرض جو کچھ لکھا ہے مراد کتاب اللہ کے خلاف نہیں لکھا۔ مفسرین رحمہم اللہ اجمعین کے اقوال صرف اسلئے ذکر کئے گئے ہیں کہ اس زمانہ جہالت میں کفرانِ نعمت کی صفتِ مذموم بڑھتی جاتی ہے۔ بنابران لوگ سلف صالحین کے اقوال کو نظر عزت سے نہیں دیکھتے۔ جب سلف صالحین کے اقوال کو قرآن شریف سے ثابت کیا جائیگا۔ تو انشاء اللہ وہ بدظنی دور ہو جائیگی

دوسرے اس غرض کے لئے کہ اپنے موافقین کی زیادت اطمینان ہو اور اپنے پر سے ظن تفسیر بالرائے دور ہو جائے۔ تیسرے اسلئے کہ مخالفین جان لیں کہ وہ سلف صالحین اور متقدمین کے ادراک کو نہیں پہنچ سکتے:۔

بابِ اوّل

در اثباتِ حیاتِ حضرتِ مسیح علیہ السّلام و رفع جسمانی

فصل اوّل

دربیان عدم مصلوبیتِ حضرتِ مسیح علیہ السّلام

حضرت عیسیٰ علیہ السّلام صلیب پر نہیں چڑہائے گئے۔ بلکہ آپ نے صلیب کی شکل بھی نہیں دیکھی اور یہود نے آپ کو چھوا تک نہیں۔ حضرت مسیح علیہ السلام کی نسبت قولِ صلیب محض افترا ہے اور سبب لعنت کا ہے۔ یہ امر کئی آیات سے ثابت ہے:۔

الآیۃ الاولیٰ۔ ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔

یعنی یہود نے (عیسیٰ علیہ السلام کو قتل کرنے اور صلیب پر چڑہانے کی) تدبیر کی اور اللہ تعالیٰ نے بھی ایک تدبیر کی (کہ آپ کو آسمان پر اُٹھالیا اور ان یہودہی میں سے ایک شخص کو مصلوب کراکے قتل کر وادیا) اور اللہ تعالے سب تدبیر کرنیوالوں سے بہتر تدبیر کرنیوالا ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ مکر کی اصل میں تدبیر محکم اور کامل کو کہتے ہیں لیکن یہہ لفظ عرف عام میں کسی کو ضرر پہنچانے کے لئے تدبیر کرنے میں مستعمل ہوتا ہے۔ جیسے بشارۃ کہ اصل میں ہر ایسی خبر کے لئے موضوع ہے جس سے بشرہ انسانی میں تغیر پیدا ہو جائے خواہ وہ خبر سارّہ ہو خواہ مسیّٔ۔ لیکن غالب استعمال خبر سارّہ یعنے خوشخبری میں ہے۔ مثلاً وبشر الذین اٰمنوا وعملوا الصّٰلحٰت ان لهم جنّٰت اور فبشرهم بعذاب الیم۔۔ اور لفظ دابہ کہ اصل میں موضوع ہے ہر حیوان کے لئے جو زمین پر حرکت کرے اور اس کا غالب استعمال سواری کے جانوروں میں ہے۔ چنانچہ قاموس میں ہے۔ ما دبّ من الحیوان وغلب علیٰ ما یرکب امام رازی رضی اللہ تعالے عنہ نے آیت معنونہ کے ذیل میں لفظ مکر کی تحقیق میں فرمایا لانه عبارةٌ عن التدبیر المحکم الکامل ثم اختص فی العرف بالتدبیر فی ایصال الشر الی الغیر (کبیر جلد دوم) یعنی مکر سے تدبیر محکم اور کامل مراد ہے۔ پھر عرف عام میں یہ لفظ ایسی تدبیر میں خاص ہو گیا۔ جو کسی دوسرے کو ضرر پہنچانے کے لئے کی جائے۔ امام رازی رحمہ اللہ کا یہ قول بالکل صحیح ہے۔ اور کتاب اللہ اسکی تصدیق کرتی ہے جیسے کہ آیت سورہ فاطر ولا یحیق المکر السیّئ الّا باهله میں مکر کو سیّئ سے موصوف کیا۔ اللّٰهمّ الا ان یجعل صفة کاشفة اور نیز والذین یمکرون السیّاٰت لهم عذابٌ شدید میں بھی تخصیص معمول اسی کی مؤید ہے۔ اور نیز اسی آیت مصدّرہ یعنی ومکروا ومکر اللہ کو واللہ خیر الماکرین پر ختم کرنا بھی اسی امر کی تائید کرتا ہے۔ چنانچہ یہ تدبیر آلہی عیسےٰ علیہ السلام کے حق میں خیر ثابت ہوئی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے شرّ اعدائے سے محفوظ رکھا اور آسمان پر اٹھا لیا اور یہود بے بہبود کے حق میں

شر ہوئی کہ اُن کو اُن کے مکر میں ناکام رکھا۔ اور ان میں سے ایک شخص پر عیسیٰ ع
کی شباہت دی جس کو اُنہوں نے صلیب پر چڑھایا اور قتل کیا۔ کما سنبینہ انشاءاللہ تعالیٰ
دیگر یہہ کہ امام رازی رحمہ اللہ نے اسی آیت کے ذیل میں یہہ بھی فرمایا قیل اصلہ
من اجتماع الامر واحکامہ ومنہ امرأۃ ممکورۃ اے مجتمعۃ الخلق
واحکام الرائے یقال لہ الاجماع والجمع قال اللہ فاجمعوا امرکم
وشرکائکم (کبیر جلد دوم) قال الجامع یکفی فی تائید ذٰلک قولہ
تعالیٰ فلما ذھبوا بہ واجمعوا ان یجعلوہ فی غیٰبت الجب الایہ۔ قولہ تعالیٰ
وما کنت لدیھم اذ اجمعوا امرھم وھم یمکرون (یوسف)
یعنی جب یوسف علیہ السلام کو آپ کے بھائی باہر لیگئے اور آپ کو کسی اُجڑے ہوئے
کنوئیں کے گڑھے میں ڈال دینے پر اُنہوں نے اجماع کرلیا اور دوسری جگہ فرمایا۔
جب یوسف علیہ السلام کے بھائیوں نے آپ کو گڑھے میں ڈال دینے پر
اجماع اور مکر کیا۔ سُبحان اللہ! کیسے عجیب طور پر مکر اور اجماع کو جمع کیا۔ اسی طرح
اساس البلاغہ میں بذیل لفظ مکر لکھا ہے امرأۃ ممکورۃ الساقین خدلتھما اور
بذیل خدل لکھا ہے امرأۃ خدلۃ ممتلئۃ الاعضاء من اللحم مع دقۃ العظام۔
طالب ذکی آسانی سے سمجھ سکتا ہے کہ امام رازی علیہ الرحمۃ کی ہر دو توجیہات
کا حاصل ایک ہی ہے اور وہ دونوں مؤید بالقرآن ہیں۔ پس لفظ مکر کی نسبت
تحقیق یہ ہوئی کہ مکر اصل میں تدبیر محکم اور کامل کو کہتے ہیں۔

سوال۔ مکروا میں ضمیر فاعلی کس کی طرف راجع ہے؟

جواب۔ کفار بنی اسرائیل کی طرف جن سے عیسیٰ علیہ السلام نے احساس کفر
کیا تھا چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے الوا ولکفار بنی اسرائیل الذین
احس منھم الکفر (کشاف جلد اول) ایسا ہی دیگر تفاسیر مثل سراج منیر

بیضاوی۔ خازن۔ مدارک۔ جلالین۔ معالم۔ جامع البیان۔ ابن کثیر

ابی السعود۔ عباسی۔ اور تفسیر فیضی میں ہے۔

مفسرین علیہم الرحمۃ کا یہ قول بالکل راست اور درست اور مطابق قرآن مجید ہے

جیساکہ سورہ مائدہ میں ہے۔ واذ کففت بنی اسرائیل عنک الآیۃ۔ اس

آیت کی پوری تفسیر آگے آئیگی انشاء اللہ العزیز +

سوال - یہود کا یہہ مکر کس امر کے لیے تھا؟

جواب - اِس امر کے لئے کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام کو قتل کر ڈالیں۔ چنانچہ

تفسیر کشاف میں ہے۔ ومکرھم انھم وکلوا بہ من یقتلہ غیلۃً

یعنے یہود بے بہبود کا مکر یہہ تھا کہ انہوں نے عیسی علیہ السلام پر ایک ایسا شخص

مقرر کیا جو اُن کو فریب سے قتل کر ڈالے اور غیلہ بالکسر کی تعریف سراج منیر

میں یہ لکھی ہے کہ کوئی کسی کو دھوکے سے کہیں لیجائے جب وہاں پہنچے تو اُسے

قتل کر ڈالے۔ وھی بالکسر ان یخدع غیرہ فیذھب بہ الے موضع فاذا

صار الیہ قتلہ (تفسیر السراج المنیر جلد اول) اسی طرح دیگر تفاسیر مثل رحمانی۔ سواطع

جلالین۔ جامع البیان۔ معالم۔ فتح البیان۔ تفسیر حافظ ابن کثیر۔ سراج منیر

تفسیر علامہ ابی السعود۔ لباب التاویل۔ مدارک۔ کبیر۔ انوار التنزیل

عباسی۔ ان سب تفاسیر میں بالاتفاق یہی لکھا ہے کہ یہود کا مکر یہہ تھا۔ کہ عیسیٰ ؑ

کو قتل کر ڈالیں۔ بلکہ ابن کثیر اور مدارک میں قتل کے ساتھ صلب کو بھی ضم کیا

ہے۔ چنانچہ مدارک میں ہے۔ حین ارادوا قتلہٗ وصلبہٗ

سوال - یہہ مکر اور تدبیر قتل وصلب کس کے حق میں کی گئی؟

جواب - حضرت عیسٰی علیہ السلام کے حق میں۔ چنانچہ تفسیر جلالین میں ہے:۔

ای کفار بنی اسرائیل بعیسٰی۔ اسی طرح دیگر تفاسیر مثل ابن کثیر۔

مفاتیح الغیب - ارشاد العقل السلیم - لباب التاویل - مدارک - کشاف الحقایق - عباسی - تبصیر الرحمن - سواطع الالہام - جامع البیان - معالم فتح البیان - سراج منیر - انوار التنزیل - ان سب تفاسیر میں بالاتفاق یہی لکھا ہے - کسی میں اسم ظاہر ہے اور کسی میں صرف ضمیر پر اکتفا کیا گیا ہے -

مفسرین علیہم الرحمۃ کا یہ قول بالکل حق اور مطابق کتاب اللہ ہے جیسے سورہ مائدہ میں وارد ہے کہ قیامت کو اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خطاب کرکے فرمائیگا واذ کففت بنی اسرائیل عنک الایہ -

سوال - یہود نے یہ مکر اور تدبیر قتل آپکے حق میں کیوں کی ؟

جواب - یہود بے بہبود حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے معجزات کے معارضہ سے عاجز آئے پس بحکم "چو حجت نماند جفا جوے را - بہ پرخاش درہم کشد روئے را" بغی وطغیان میں بڑھ گئے اور آپکے معجزات کو جادو کہکر آپ کو جادوگر ٹھیرایا - اور اپر حکم قتل وصلب لگایا - جیسا کہ آیت مانحن فیہا کے قبل ذکر معجزات اس امر پر دلالت کررہا ہے اور فلما احس عیسیٰ منہم الکفر کے یہی معنی ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے کفار یہود سے مکر قتل کا احساس کیا - اس جگہ کفر بمعنے قتل من باب تسمیۃ الشئی باسم سببہ ہے جیسے آیت ماکانوا یستطیعون السمع میں سمع سے مراد قبول کرنا اور اس کے موافق عمل کرنا ہے - اور محاورہ رعینا الغیث ای النبات الذی سببہ الغیث (مطول) میں بھی یہی امر ملحوظ ہے یا من باب تسمیۃ الشئی باسم مسببہ ہے کیونکہ کسی نبی کے قتل کا حکم کفر قاتل ہے - پس وہ کفر جو قتل سے حاصل ہوا مسبب ہے - کالاثم للخمر لان الخمر سبب لکون شاربہ اثما بہ اور اسی طرح آیت وما انزل اللہ من السماء من رزق میں رزق بمعنے مطر یعنی مینہہ ہے - کیونکہ مینہہ سبب ہے رزق کے پیدا ہونیکا پس رزق مسبب ہے

اسی طرح اس قاعدے کے نظائر قرآن شریف میں بکثرت ہیں اور کتب بلاغۃ میں
اس قاعدے کی تصریح موجود ہے۔ دیگر یہ کہ کفر کو احساس کے ساتھ ذکر کرنا بھی
اس امر کا موید ہے کہ اس جگہ کفر سے مراد قتل ہے کیونکہ احساس ایسے مواقع
میں اس جگہ مستعمل ہوتا ہے جہاں اس کا متعلق کوئی امر محذور ہو جیسے آیت
فلما احسوا بأسنا میں اور نیز آیت اذ تحسونھم ای تقتلونھم ذریعا
من حسہ اذا اعدم حسہ اھلا کا پس اس بیان سے واضح ہو گیا کہ فلما احس
عیسیٰ منھم الکفر میں کفر بمعنے قتل ہے پس مکر یہود کی صورت ارادۂ قتل و
صلبِ عیسیٰ متعین ہو گئی اور نیز آیتِ سورہ مائدہ واذ کففت بنی اسرائیل
عنک اذ جئتھم بالبینٰت فقال الذین کفروا منھم ان ھذا الا سحر
مبین بیان بالا کے لئے موید قوی بلکہ نص صریح موجود ہے۔

سوال۔ کیا مفسرین کے اس قول کی تائید قرآن شریف سے ہو سکتی ہے کہ
مکر سے مراد قتل ہے ؟

جواب۔ کیوں نہیں ؟ بے شک مفسرین رحمہم اللہ اجمعین کے بیان کی تائید
میں کئی آیات ہیں منہا قولہ تعالیٰ حکایۃ عن اخوۃ یوسف اقتلوا یوسف
او اطرحوہ ارضا اور اس تدبیرِ قتل کا نام مکر رکھا چنانچہ اسی سورہ یوسف ہی
میں وھم یمکرون فرمایا۔ اور نیز سورہ نمل میں صالح علیہ السلام کے
بیان میں فرمایا وکان فی المدینۃ تسعۃ رھط یفسدون فی الارض
ولا یصلحون قالوا تقاسموا باللہ لنبیتنہ واھلہ ثم لنقولن لولیہ
ما شھدنا مھلک اھلہ وانا لصادقون یعنی نو مفسدوں نے آپس میں
یہ منصوبہ باندھا اور اس پر قسمیں کھائیں کہ صالح علیہ السلام اور آپ کے اہل کو
راتوں رات قتل کر ڈالیں۔ اُن کی اس تدبیرِ شر کی نسبت اللہ تعالیٰ نے اس سے

آگے فرمایا۔ ومکروا مکرا الایہ۔ یعنی انہوں نے بڑا بھاری مکر کیا یعنی پوشیدہ طور پر نبی اللہ صلے علیہ السلام کو قتل کرنے کی تدبیر کی۔ اور حضرت سید المرسلین خاتم النبیین صلعم کی نسبت کفار نے جو تدبیر ایذا رسانی کی اُس کی نسبت فرمایا واذ یمکر بك الذین کفروا لیثبتوك او یخرجوك او یقتلوك ویمکرون ویمکر اللہ واللہ خیر الماکرین۔ (الانفال)

اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی نسبت کفار نے جو مشورہ کیا اس کی نسبت فرمایا وماکان جواب قومہ الا ان قالوا اقتلوہ او حرقوہ اور ان کے اس منصوبہ کا نام کید رکھا۔ چنانچہ سورہ انبیاء میں فرمایا وارادوا بہ کیدا فجعلنٰہم الاخسرین اور مکر اور کید مترادف ہیں۔

سوال۔ کفارِ ماکرین کے ساتھ سنتِ الٰہیہ کیا ہے اور اُن کے مکر کی عاقبت کیا ہوا کرتی ہے؟

جواب۔ ماکرین کو ہلاک کرنا اور اُن کے مکر کا وبال اُنہیں پر نازل کرنا اور اپنے عبادِ مرسلین کو اُن کے مکر سے بچا لینا۔

دلیل۔ اللہ تعالیٰ نے سورہ فاطر میں فرمایا والذین یمکرون السیّاٰت لہم عذابٌ شدیدٌ ومکر اولٰئك ھو یبور وقال ولا یحیق المکر السیّئ الا باھلہ وقال وھمت کل امۃ برسولہم لیاخذوہ فاخذتہم فکیف کان عقاب (المومن) وقال وارادوا بہ کیدا فجعلنٰہم الاخسرین (انبیاء) وقال فارادوا بہ کیدا فجعلنٰہم الاسفلین (صافات) وقال قد مکر الذین من قبلہم فاتی اللہ بنیانہم من القواعد فخر علیہم السقف من فوقہم واتٰہم العذاب من حیث لا یشعرون (النحل) وقال وقد مکروا مکرہم و عند اللہ مکرہم وان کان مکرہم لتزول منہ الجبال

فلا تحسبن اللہ مخلف وعدہ رسلہ ان اللہ عزیز ذو انتقام وقال
فی ھذا الوعد برسلہ ولقد سبقت کلمتنا لعبادنا المرسلین انھم
لھم المنصورون (صافات) وقال ایضا کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی
ان اللہ قوی عزیز (مجادلہ) وقال وکان فی المدینۃ تسعۃ رھط یفسدون
فی الارض ولا یصلحون قالوا تقاسموا باللہ لنبیتنہ واھلہ ثم لنقولن
لولیہ ما شھدنا مھلک اھلہ وانا لصادقون ومکروا مکراً
ومکرنا مکراً وھم لا یشعرون فانظر کیف کان عاقبۃ
مکرھم انا دمرنھم وقومھم اجمعین فتلک بیوتھم خاویۃ
بما ظلموا ان فی ذلک لاٰیۃ لقوم یعلمون وانجینا الذین اٰمنوا وکانوا
یتقون (النمل)

ترجمہ۔ یعنی جو لوگ بُری تدبیریں اور منصوبے باندھتے ہیں اُن کے لئے سخت
عذاب ہوگا اور اُن کا مکر ہی ہلاک ہوگا اور نیز فرمایا۔ اسی سورت میں کہ بُری تدبیر
کا وبال اُس کے اہل ہی پر پڑا کرتا ہے۔ اور نیز سورہ مومن میں فرمایا کہ ہر اُمت
نے اپنے رسول کو ماخوذ کرنے پر کمر باندھی۔ پس میں نے انہی کو عذاب میں گرفتار کیا۔ پس
میرا عذاب اُن پر کیسا سخت ہوا۔ اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ
والسلام کے حق میں جو مکر اور کید اُن کی قوم نے کیا تھا اس کی بابت فرمایا۔ کہ
اُنہوں نے اُس کے ساتھ ایک بھاری مکر کرنا چاہا پس ہم نے اُنہیں کو سخت
زیانکار اور سخت پست اور ذلیل کر دیا۔ اور نیز سورہ نحل میں فرمایا کہ کفار مکہ کے
پیشتر بہت لوگوں نے مکر اور تدابیر کیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُن کی عمارات کو
بنیادوں سے گرا دیا اور چھت اُن کے اوپر گر پڑے۔ اور اُن کو ایسی جگہ
سے عذاب آیا جہاں سے اُن کو شعور بھی نہ تھا۔ اور نیز سورہ ابراہیم میں بڑے

زور اور تاکید سے فرمایا کہ کفار مکہ نے جہانتک اُن سے ہو سکا بہت تدبیریں کیں اور اللہ تعالیٰ کو ان کی سب تدبیریں معلوم ہیں۔ اگرچہ اُن کی تدابیر اور مکر ایسے زبردست اور محکم ہوں کہ اُن سے زوال جبال یعنے پہاڑوں کا گرجانا ممکن ہو سکے۔ تو بھی ہرگز یہ خیال نہ کرنا کہ اللہ تعالیٰ کبھی بھی اپنے اُس وعدے کا خلاف کریگا جو اُس نے اپنے رسولوں سے کیا ہوا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا غالب ہے اور اعداء سے بدلہ لینے والا ہے۔ اور اس وعدے کی نسبت سورۃ صافات میں فرمایا کہ بیشک ہمنے اپنے عبادِ مرسلین سے پہلے ہی سے وعدہ کیا ہوا ہے کہ وہ ضرور ضرور منصور ہونگے اور نیز سورہ مجادلہ میں فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے یہ امر مقرر کر دیا ہوا ہے کہ میں اور میرے رسول ضرور ضرور غالب رہینگے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑی قوت والا اور بڑا غالب ہے۔ اور سورہ نمل میں حضرت صالح علیہ السلام کے ذکر میں فرمایا کہ اُس شہر میں نو شخص سخت مفسد اور غیر مصلح تھے اُنہوں نے آپسمیں کہا کہ صالح علیہ السلام اور آپکے اہل بیت کو راتوں رات قتل کرنے پر قسمیں کھاؤ اور اس امر پر بھی کہ پھر اُسکے ولی یعنی حامی و وارث کو کہینگے کہ ہم تو اُسکے اہل بیت کے مرنے کے موقع اور وقت پر حاضر بھی نہ تھے اور ہم ضرور سچے ہیں اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ اُنہوں نے بڑا بھاری مکر کیا تھا۔ اور ہمنے بھی مکر (تدبیر محکم) کیا اور وہ ہماری تدبیر کا شعور نہ رکھتے تھے۔ پس دیکھ اُن کے مکر کا انجام کیا ہوا۔ کہ ہمنے اُن نو مفسدوں اور اُن کے باقی حامی کاروں سب کو بالکل ہلاک کر دیا۔ پس یہ اُن کے گھر اُن کے ظلم کے سبب اُجڑے پڑے ہیں۔ بیشک اس معاملہ میں علم والے یعنے سمجھ والے لوگوں کے لئے (رسولوں کی نصرت اور اُن کے دشمنوں کی ذلت کا) بڑا بھاری نشان ہے اور ہمنے مومنین اور متقین یعنے اتباعِ صالح علیہ السلام کو بچالیا۔ انتہےٰ۔ خلاصہ یہ کہ قرآن کریم میں جہاں کہیں رسل اللہ کے برخلاف کفار کے مکر کا ذکر ہے۔ اُس جگہ یہی مراد ہے

ہے کہ اللہ تعالیٰ پیغمبروں کو ان کے مکر اور شر سے محفوظ رکھتا ہے اور اُلٹا ماکرین ہی پر وبال و عذاب نازل کیا کرتا ہے ۔ سو اسی طرح حضرت مسیح علیہ السلام کے حق میں بھی اسی طرح کی آیت آئی ہے جیسے حضرت صالح علیہ السلام اور حضرت سید المرسلین کے حق میں وارد ہے ۔ یہ کس قدر غلط اور لغو بات ہے کہ جو الفاظ دیگر رسولوں کے محفوظ رہنے پر دلالت کریں انہی الفاظ کے ہوتے حضرت کلمۃ اللہ و روح اللہ علیہ السلام اس قدر ذلت اور خواری سے صلیب پر کھینچے جائیں کہ آپ کی مبارک رانوں پر میخیں لگائی جائیں اور آپ کے پاک ہاتھوں میں کیلیں ٹھونکی جائیں ۔ اور آپ کے مقدس سر پر کانٹوں کی ٹوپی پہنائی جائے اور آپ کی خزانۂ حکمت کی پسلی میں نیزہ مارا جائے ۔ معاذ اللہ ثم معاذ اللہ ۔ کس قدر تعجب کا مقام ہے کہ جس امر کی تردید کے لئے اللہ تعالیٰ اسقدر تاکید فرماوے ۔ اور عجیب طرز پر بیان کرے اس امر کو برخلافِ مرادِ الٰہی اپنا عقیدہ بنایا جائے

سوال ۔ مکر صفاتِ محمودہ میں سے نہیں ۔ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی طرف کیوں منسوب کیا گیا ؟

جواب ۔ لفظ مکر کے متعلق جو تحقیق شروع میں گزر چکی ہے اس سے کسی قسم کا اعتراض باقی نہیں رہتا لیکن مزید توضیح کے لئے دیگر وجوہ بھی ذکر کئے جاتے ہیں :-

امام رازی علیہ الرحمۃ نے تفسیر کبیر میں اس آیت کے ذیل میں فرمایا کہ

(احدھا) انہ تعالیٰ سمی جزآء المکر بالمکر کقولہ وجزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا وسمی جزاء المخادعۃ بالمخادعۃ وجزاء الاستھزاء بالاستہزاء (والثانی) ان معاملۃ اللہ معھم کانت شبیھۃ	مفسرین نے اسبار میں کئی وجوہ ذکر کئے ہیں **اول** یہ کہ مکر کی جزا کا نام بھی مکر ہی رکھا گیا جیسے آیت جزاء سیئۃ سیئۃ مثلھا میں برائی کی جزا کا نام بھی برائی رکھا گیا حالانکہ حقیقت میں بدلہ بُرائی نہیں ہوتا

بالمکر فسمی بذالک (الثالث) ان ھذا اللفظ لیس من المتشابہات لانہ عبارۃ عن التدبیر المحکم الکامل ثم اختص فی العرف بالتدبیر فی ایصال الشر الی الغیر وذالک فی حق اللہ تعالیٰ غیر ممتنع کبیر جلد ۲

اور اسی طرح مخادعۃ کی جزا کا نام مخادعۃ اور استہزا کی جزا کا نام استہزا رکھا گیا۔ دوم یہ کہ اس موقع پر اللہ تعالیٰ نے جو معاملہ یہود کے ساتھ کیا وہ مشابہ بالمکر تہا۔ (اور کسی چیز کا اپنے شبیہہ کے نام سے موسوم ہونا ممنوع نہیں ہے۔) سوم یہ کہ مکر اصل میں تدبیر محکم اور کامل کو کہتے ہیں پھر یہ لفظ عرف عام میں کسی کے حق میں ایصال شر کی تدبیر کرنیکے معنوں میں مستعمل ہونے لگا اور یہ امر یعنے تدبیر محکم اور کامل اللہ تعہ کے حق میں ممتنع نہیں ہے۔ فافہم وتدبر

سوال۔ ومکر اللہ یعنی اللہ تعالیٰ نے بھی تدبیر کی۔ یہ تدبیر الٰہی کیا تھی؟

جواب۔ یہود کے خلاف اللہ تعالیٰ کا مکر یہہ تھا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا لیا اور انہی میں سے کسی کو آپ کا ہم شکل بنا دیا جس کو یہود نے صلیب پر چڑہا کر قتل کیا۔ چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے ومکر اللہ ان رفع عیسےٰ الی السماء والقی شبہہ علےٰ من اراد اغتیالہ حتے قتل یعنی اللہ کا مکر اور اس کی تدبیر یہ تھی کہ عیسےٰ علیہ السلام کو آسمان پر اُٹھا لیا۔ اور آپ کی شکل و شباہت اس شخص پر ڈالدی جسنے آپ کو دھوکہ سے قتل کرانا چاہا تہا حتیٰ کہ وہ قتل کیا گیا۔ اسی طرح تفسیر جلالین میں بھی ہے ومکر اللہ بھم بان القی شبہ عیسیٰ علےٰ من قصد قتلہ فقتلوہ ورفع عیسےٰ انتہیٰ۔ اور اسی طرح تفسیر علامہ ابی السعود میں بھی ہے بان رفع عیسےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام والقی شبہہ علےٰ من قصد اغتیالہ حتی قتل اور اسی طرح تفسیر مدارک میں ہے۔ بان رفع عیسیٰ الی السماء والقی شبہہ علی من اراد اغتیالہ حتی قتل (مدارک) اور اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں بھی ہے:-

فلما احاطوا بمنزلہ وظنوا انھم ظفروا بہ نجاہ اللہ تعالیٰ من بینھم

ورفع من روزنة ذلک البیت الی السماء والقی شبهه علی رجل

ممن کان عنده فی المنزل فلما دخل اولئک اعتقدوه فی ظلمة اللیل

عیسٰی فاخذوه وصلبوه ووضعوا علی راسه الشوک وکان ھذا

مکر اللہ بھم فانه نجی نبیه ورفعه من بین اظھرھم وترکھم فی

ضلالھم یعمھون (ابن کثیر جلد سوم) اور اسی طرح تفسیر بیضاوی میں بھی ہے

حین رفع عیسٰی علیه السلام والقی شبهه علی من قصد اغتیاله حتی

قتل (بیضاوی) اسی طرح دیگر تفاسیر مثل رحمانی[۱] فتح البیان[۲] - معالم[۳] - سراج منیر[۴]

نیشی[۵] خازن[۶] - عباسی[۷] - کبیر[۸] - جامع البیان[۹] میں اس امر کی تصریح موجود

ہے - تفسیر کبیر میں امام رازی ؒ نے پانچ وجہیں ذکر کی ہیں پہلی تین میں بالتصریح

ارتفاع عیسٰی ؑ الی السماء اور القاء شبہہ علی غیرہ کا ذکر کیا اور چوتھی میں

بنا بر قول تسلیط ملکِ جبار علی بنی اسرائیل کو مکر الٰہی ٹھیرایا - ناقد بصیر پر ظاہر

ہے کہ یہہ وجہ منافی وجوہِ سابقہ نہیں بلکہ اُن کے ساتھ ضم کی جاسکتی ہے ٭

پانچویں وجہ علی سبیل الاحتمال یہ فرمائی: یحتمل ان یکون المراد انھم

مکروا فی اخفاء امرہ وابطال دینه ومکر اللہ بھم حیث اعلی دینه

واظھر شریعته وقھر بالذل والدناءة اعدائہ وھم الیھود (تفسیر کبیر جلد ثانی)

اول تو اس وجہ کی تضعیف خود امام رازی ؒ نے کلمۂ احتمال سے کر دی ہے

دیگر یہہ کہ اس وجہ اور قول جمہور مفسرین میں منافاۃ نہیں کیونکہ ان میں نسبت

سبب اور نتیجہ کی ہے - کیونکہ ارتفاع النبی الی السماء مستلزم شرف نبی ہے اور القاء

شبہ علی العدو مستلزم ذلت اعداء ہے فلا منافاة بینھما اصلاً

سوال مفسرین علیھم الرحمۃ نے یہ جو فرمایا کہ اللہ تعالٰی کی تدبیر یہ تھی کہ ایک اور

شخص کو جسنے عیسٰی ؑ کو پکڑوانا چاہا تھا صلیب پر چڑہوا کر قتل کرایا - اور حضرت عیسٰی ؑ

کو آسمان پر اُٹھا لیا گیا ان ہر دو امر کی تائید قرآن شریف سے ہو سکتی ہے؟

جواب ۔ بیشک مفسرین رحہم نے یہ سب کچھ قرآن شریف ہی سے لکھا ہے۔ امر اوّل کا بیان ولکن شبہ لھم میں مصرح ہے۔ اور فقاتلوا ائمۃ الکفر اسکا موید ہے اور امر ثانی کی تصریح میں ان متوفیک ورافعک الی اور بل رفعہ اللہ موجود ہیں۔ ان کی تفصیل موقع پر کی جائیگی۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

سوال ۔ واللہ خیر الماکرین میں بجائے اسم مضمر کے اسم ظاہر کیوں اختیار کیا گیا یعنے وھو خیر الماکرین کیوں نہیں کہا گیا؟

جواب ۔ قرآن شریف میں اللہ جل جلالہٗ کے اسماء حسنٰے بکثرت ہیں اور وجہ اس کثرت کی یہ ہے کہ چونکہ قرآن شریف کی آیات مثل دعاوی مع بینات کے ہیں۔ اسلیٔے ذکر ہر اسم کا حسب اقتضاء مقام ہوتا ہے۔ اور وہ اسم بمنزلہ دلیل و علت کے ہوتا ہے۔ چونکہ آیت ما نحن فیہا مورد نصرت حضرت روح اللہ رسول برحق اور ذلت اعداء میں وارد ہے۔ اسلیٔے اسم جلالہ کو بوجہ مہابت و اثبات رسالت و حفاظت رسول بکمال مناسبت ہے جیسا کہ سورہ مجادلہ میں ہؑ اللہ تعالیٰ نے یہہ امر متقرر کر دیا ہوا ہے

کتب اللہ لاغلبن انا ورسلی ان اللہ قوی عزیز (مجادلہ)	کہ میں اور میرے رسول ضرور ضرور غالب رہینگے کیونکہ اللہ تعالیٰ بڑا قوی اور بڑا غالب ہے

چونکہ یہ آیت سورہ مجادلہ بھی باب غلبہ رسول علے الکفار میں وارد ہے اسلیٔے ذکر اسم جلالہ کا کیا اور آخر میں اسم جلالہ کے ساتھ قوت اور غلبہ کا بھی ذکر کیا جو بمنزلہ علت کے ہے۔ ولا یخفی امثال ذالک علی المتامل و من لم یحط حظا من ذالک فلا یلومن الا نفسہ۔ چنانچہ تفسیر ارشاد العقل السلیم الے مزایا الکتاب الکریم میں علامہ ابو السعود اسعدہ اللہ

واظہار الجلالۃ فی موضع الاضمار لتربیۃ المہابۃ والجملۃ تذییل مقرر	بالفوز بجنت النعیم اسی آیت میں فرماتے ہیں کہ موضع اضمار میں اسم جلالہ کو ظاہر

لانا تربیت وہابت کے لئے ہے۔ اور	لمضمون ماقبلہ (ابو السعود)

یہ جملہ تذییل ہے جو مضمون ماقبل کی تقریر اور اثبات کرتا ہے۔

سوال - واللہ خیر الماکرین کی تفسیر کس طرح پر ہے؟

جواب - اس آیت سے مقصود اس امر کا اظہار ہے کہ اللہ قدیر کی تدبیر کے مقابلہ میں مخلوق عاجز کی تدبیر کارگر نہیں ہو سکتی اور اُس کی تدبیر اپنے رسولوں کے حق میں خیر ہوتی ہے اسی طرح عیسٰے علیہ السلام کے حق میں بھی تدبیر خیر کی کہ اُن کو آسمان پر اُٹھا لیا

سوال - بیشک ان آیات سے صاف ظاہر ہے کہ ماکرین مکر میں ناکام رہتے ہیں اور اللہ تعالے اُلٹا اُن ہی پر عذاب نازل کرتا ہے مگر قرآن شریف میں یہود کے بعض انبیاء کو قتل کرنیکا جو ذکر آیا ہے اُسکا کیا جواب ہے؟

جواب - قرآن کریم میں تدبر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسل اللہ تین طرح پر بھیجے گئے ہیں۔ اوّل وہ رسول جو اصحاب شرائع ہیں اور وہ پانچ ہیں۔ نوح نبی اللہ ۔ ابراہیم خلیل اللہ۔ موسٰے کلیم اللہ۔ عیسٰے روح اللہ۔ محمد رسول اللہ صلواۃ اللہ علیہم وسلامہ۔ جیسا کہ فرمایا شرع لکم من الدین ما وصی بہ نوحًا والذی اوحینا الیک وما وصینا بہ ابراھیم وموسیٰ وعیسیٰ (شورے) وقال واذ اخذنا من النبیین میثاقھم ومنک ومن نوح وابراھیم وموسٰے وعیسٰے بن مریم (الاحزاب) آیت احزاب میں تخصیص بعد تعمیم کا فایدہ مزید کرامۃ اور زیادۃ شرافۃ ہے اور وہ اُن کا اصحاب شرائع ہونا ہے جیسا کہ آیت شورٰے میں مصرح ہے۔ دوسرا وہ طائفہ ہے جو اپنی اپنی قوم کی طرف رسول کیے گئے اگرچہ صاحب شریعت نہ تھے ہاں اُن کے ہاتھ پر معجزات ظاہر ہوئے۔ اور اُن کی قوم بسبب تکذیب کے معذب ہوئی مثل صالح اور ہود اور لوط اور شعیب علیہم السلام کی۔

تیسری وہ جماعۃ جو حکمۃ اور نبوۃ دیئے گئے۔ لیکن اتباع تورات کے مامور تھے اور دی

وہ ہیں جو موسیٰ علیہ السلام کے بعد بھیجے گئے - کما قال اللہ تعالیٰ عز برہانہٗ انا انزلنا التورٰاۃ فیہا ھدی ونور یحکم بہا النبیون الذین اسلموا للذین ھادوا الا بر مثل یحیٰے اور زکریا علیہما السلام کی پس محاورہ قرآنی میں نبی اور رسول مترادف اور متساوق ہیں ہر نبی رسول ہے اور ہر رسول نبی ہے صاحبِ شریعت ہو یا نہو جیسے کہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام کے شان میں رسولا نبیا فرمایا اور اسمٰعیل ذبیح اللہ علیہ السلام کے شان میں بھی رسولا نبیاً فرمایا اور معلوم ہے کہ حضرت کلیم اللہ صاحبِ شریعت تھے اور حضرت ذبیح اللہ صاحبِ شریعت نہ تھے پس علماء رحمہم اللہ کا یہ قول کہ رسول وہ ہے جسپر کتاب اُترے اور ہر رسول نبی ہے لیکن ہر نبی رسول نہیں ہے اس کے یہ معنے نہیں کہ یہ حسب التزام قرآن کریم ہے - بلکہ یہ اُن کی اصطلاح ہے ولا مشاحۃ فی الاصطلاح ... **نتیجہ** اس تمہید کا یہ ہے کہ قسم اول و دوم کے رسولوں کے مقابلہ میں ماکرین مکر میں ناکام رہتے ہیں کیونکہ ان کا قتل شریعت اور رسالت میں شبہ ڈالتا ہے بخلاف طائفہ ثالثہ کے کہ ان کا قتل کتاب اور شریعت میں خلل انداز نہیں ہوتا اسی لئے جریمہ قتلِ انبیاء سوائے قوم یہود کے کسی اُمت سے سرزد نہیں ہوا اگرچہ ہر اُمت نے اپنے رسول کو قتل کرنے کی کوشش کی مفسرین علیہم الرحمۃ آیت یقتلون النبیین وامثالھا میں حضرت یحیٰے اور زکریا علیہما السلام کو بالاتفاق مثال میں لکھتے ہیں چنانچہ تفسیر جلالین میں کئی مواضع پر اور نیز تفسیر کبیر میں زکریا و یحییٰ لکھا ہے اور تفسیر کشاف - معالم - مدارک - جامع البیان خازن - سراج منیر - بیضاوی - فتح البیان - رحمانی - ابی السعود ان سب تفاسیر میں شعیا اور زکریا اور یحیٰے علیہم السلام لکھے ہیں - پس چونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صاحب شرع و معجزات رسول ہیں اسلئے یہود آپ کو صلیب پر نہیں کھینچ سکتے

کسرِ صلیب کی دوسری آیت وقولھم انا قتلنا المسیح عیسٰے بن مریم رسول اللہ وما قتلوہُ وما صلبوہُ۔ یہ آیت نفی صلیب کے لئے نص صریح اور دلیل قطعی ہے اس کا منکر کافر ہے۔ یہ آیت دو وجہ سے نفی صلیب پر دلالت کرتی ہے۔ **الوجہ الاول** قولہ تعالٰی بالتصریح وما قتلوہ وما صلبوہ یعنی یہود نے عیسٰی علیہ السلام کو نہ تو قتل کیا ہے اور نہ اُنہوں نے آپ کو صلیب پر چڑھایا +

محررِ سطور نے ایک مطبوع اشتہار کادیانی کو بھیجا تھا۔ جسکی نقل حسب ذیل ہے۔

الحمد للہ وسلام علی عبادہ الذین اصطفٰے۔ جناب مرزا صاحب۔ بندہ جمیع اہل السنۃ والجماعۃ سلف خلف کی طرح اسبات کا قائل ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر نہیں چڑہائے گئے اور اتبک فوت بھی نہیں ہوئے۔ آپ اگر قرآن کریم میں سے مسیح علیہ السلام کا صلیب پر چڑہایا جانا ثابت کردیں اور اگر صلیب پر چڑہایا جانا ثابت نہ کرسکیں تو بعد اقرار عدم مصلوبیت قرآن شریف میں سے بدلائل قطعیہ انکی وفات ثابت کردیں تو بندہ اس بات کا حلفی اقرار کرتا ہے کہ آپکی تحقیق کا بہت ہی ممنون و مشکور ہوکر مسیح علیہ السلام کی وفات کو تسلیم کرلیا جائیگا۔ اس امر کے فیصلے کے لئے خواہ آپ مجھے کادیاں میں حاضر ہونے کے لئے فرماویں اور کسی عام مجلس میں اس مرحلہ کو طے کریں خواہ کسی اور جگہ پر تشریف لاکر مجھے اطلاع بخشیں خواہ آپ سیالکوٹ میں قدم رنجہ فرماکر بندے کو ممنون فرماویں بندہ ہر طرح سے حاضر ہے آپکے سیالکوٹ آنے کی صورت میں آپکے ذاتی اخراجات کا متحمل بندہ ہوگا۔ اگر آپ بندے کو کادیان میں طلب نہ فرماویں اور کسی اور جگہ بھی بسبب کسی مخفی وجہ کے خود تشریف نہ لاسکیں تو وہاں کادیاں ہی میں بیٹھے بیٹھے اس بار کو للہ برداشت کریں بندہ اسپر بھی سر تسلیم نہیں پھیریگا + اس عریضہ کے جواب میں آپکا یہہ فرمادینا کہ ہم نے یہ مسئلہ ازالہ اوہام میں بہ بسط لکھا ہُوا ہے۔ بندہ کے لئے جواب باصواب نہیں ہوگا۔ کیونکہ وہ دلائل

جو آپ نے ازالہ اوہام میں بیان کئے ہیں بندہ کے نزدیک قطعیت چھوڑ مفید ظنیت بھی نہیں ہو سکتے۔ اس عریضہ کے قبولیت وعدم قبولیت سے بندہ کو ایک ہفتے کے اندر اندر بدستخط خاص قلمی یا بذریعہ اشتہار طبع شدہ اطلاع بخشیں اور اسکی تعمیل کی میعاد ایک ماہ سے زاید نہیں ہونی چاہیے۔ ۸ جون ۱۹۰۲ء ✦

یہ اشتہار رجسٹری کرا کر کادیانی صاحب کیخدمت میں ارسال کیا گیا جسکی رسید بھی آگئی مگر جواب بالکل ندارد۔ ایک سیالکوٹی نامبارک حواری نے اس کا جواب لکھ کر اپنی بے علمی کا اظہار کیا سو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ضمناً اس کی بھی تردید ہو جائے۔

یہ رسالہ نام کا جواب باصواب ہے اور اس میں مصنف غیر منصف نے حضرت مسیحؑ کے صلیب پر چڑہائے جانے کے ثبوت میں بہت زور مارا ہے اور آپ کو دلائل فرسودہ پر بڑا ناز ہے چنانچہ لوح کے اندرونی صفحہ میں فخر سے فرماتے ہیں "سوال اور اس کے جواب میں غور فرما کر حسن کلام اور خوبی جواب اور طرز استدلال کی داد دیں" انتہے۔ اور نیز نظم دلچسپ میں یوں رقمطراز ہیں :-

"گو دیکھنے میں چھوٹی سی یہ اک کتاب ہے — اس کا ہر ایک نکتہ مگر لاجواب ہے"

اس کتاب میں مصنف صاحب نے اپنی تحقیق کی داد اِن دو امروں کی صحت پر مانگی ہے امر اول صلب کے معنے صلیب پر مارنا ہے لہذا ما صلبوہ کے معنے "یہود نے حضرت مسیح کو صلیب پر نہیں مارا" ہوئے چنانچہ صفحہ ۱۴ کے حاشیہ میں لکھتے ہیں "واضح رہے کہ اصل لغت میں مصلوب ایسے شخص کو کہتے ہیں جسکی موت صلیب پر واقعہ ہو جائے دیکھو قاموس اور اقرب الموارد وغیرہ اور جس شخص کی موت صلیب پر واقع نہو اس کو لغت کے رو سے مصلوب کہنا ناجایز ہے" انتہے اور نیز صـ۲۴ میں یوں خامہ فرسائی کرتے ہیں "کیونکہ عرف لغوی میں مصلوب اُسے کہتے ہیں جس کی موت صلیب پر واقعہ ہو جائے اور جسکی موت واقعہ نہو اُسے مصلوب نہیں کہتے" ۱۲

کو یاد ہی نہ تھا یا زبان ہی میں کوئی لفظ نہیں۔ مہربانی کرکے وہ لفظ تو لکھدیا ہوتا تا آپ کی تحریر کچھ تو مفید پڑتی پہلی دو صورتوں میں آپ کا قصور ہے اور تیسری صورت میں زبان کا نقص۔ مجھے اُمید ہے کہ آپ اپنے آپ پر الزام سہ جائینگے اور زبان عرب میں نقص کے قایل نہ بنینگے ؛

وجہ دوم۔ جو الفاظ افعال کے لئے موضوع ہیں وہ صرف اُن کی ابتدائی صورت کے لئے ہوتے ہیں نتیجہ ان میں نہیں ہوتا نتیجہ پر دلالت ترکیب سے ہوتی ہے یا زیادت سے معانی موضوع لہا میں نتیجہ نہیں ہوتا۔ آپ قواعد فقہ یا علم بیان کی کوئی کتاب پڑھیں پھر معلوم ہوجائیگا اور اس سے پہلے ایسی تحقیق کو چھوڑ دیں اور کسی اُستاد کے اس شعر کو ورد زبان بنائے رکھیں ؎

بجائے بزرگان دلیری مکن چو پنجہ نہ داری تو شیری مکن

وجہ سوم مثل مشہور ہے دروغگو را حافظہ نباشد۔ رسالہ جواب باصواب کے مصنف نامبارک نے صلب کے معنے سولی پر چڑہا کر مارنا کرنے میں اپنی مطلب برآری کے لئے تصرف فی اللغۃ کیا ہے اور بموجب مثل مندرجہ عنوان انکی اپنی بہت سی عبارات اسی رسالے میں موجود ہیں جن میں صلب بمعنے مطلق صلیب پر چڑہانا استعمال کیا گیا ہے وہ مواضع حسب ذیل ہیں :۔

(۱) حاشیہ صفحہ ۱۴۔ ما قتلوہ یقیناً اے مادفع مونہ نقتلہ صلباً

(۲) صفحہ ۱۶ نفی قتل بعلت صلب سے نفی وقوع صورت صلب موہوم ہوتی ہے"۔ جو مناقض اور مغائر نتیجہ صلب (موت) کی ہے"۔

(۴) صفحہ ۱۷۔ "اب اس صورت میں یہ معنے ہوئے کہ مسیح کے صلب کا نتیجہ تو واقعہ نہیں ہوا"۔

(۵) صفحہ ۱۷ "اور دونوں جملوں کے ملانے سے عدم وقوع نتیجہ صلیب کا اثبات"۔

(۶) صفحہ ۱۷ "پس ان دونوں آیتوں سے ثابت ہوگیا کہ آیت وما قتلوہ وما صلبوہ ولکن شبہ لہم

میں مطلق نفی مقصود نہیں بلکہ نتیجہ صلب و قتل کی نفی مقصود ہے اور وقوعِ صورت صلب کا اثبات مطلوب ہے۔"

ہم ان عبارات پر کچھ زیادہ توضیح نہیں کرتے صرف ناظرین کے فہم رسا اور انصاف پر چھوڑتے ہیں اور اُن کی توجہ اس طرف مبذول کرنا چاہتے ہیں کہ ان عبارات میں صلب بمعنی سولی پر چڑھانا مستعمل ہوا ہے یا نہیں والانصاف اولی الاوصاف اگر مصنف نامبارک اس اشارے سے اپنی بعلمی کا اعتراف نہ کرے تو نتیجہ اور سبب کی مغایرت سے سمجھ لے العاقل تکفیہ الاشارۃ۔

امر دوم یعنی بحث کلمہ لکن کی نسبت یہ عرض ہے کہ مولوی صاحب خود اس سے وہم میں پڑے ہوئے ہیں اور عوام کو اوہام میں ڈالتے ہیں فضل داضل مولوی صاحب نے لکنّ (مثقلۃ النون) کے قاعدہ میں دو عبارتیں نقل کی ہیں۔ ان عبارات سے مولوی صاحب کو کچھ فائدہ نہیں ہاں اتنا فایدہ ضرور ہے کہ مرزائی پارٹی یہ جانیگی کہ مولوی صاحب علم نحو سے واقف ہیں مگر علم نحو کے ماہرین کے نزدیک یہ امر شاہد ناطق ہوگا کہ مولوی صاحب علم نحو سے بالکل بے بہرہ ہیں۔ آپنے کتب نحو کی عبارات تو نقل کردیں کہ لکن ازالہ وہم کے لئے آتا ہے مگر تعیین وہم کی سند میں کسی تفسیر کی عبارت کیوں نقل نہ کی۔ مخالف پر کسی کتاب کا حوالہ دیکر وہ امر منکار کیا جاتا ہے جس میں اس کو خلاف ہو کلمہ لکن کا ازالہ اوہام کے لئے موضوع ہونا تو فریقین کے نزدیک مسلّم ہے اختلاف تو تعیین وہم میں ہے۔ جو وہم آپ کو ہوا ہے اُس کی صحت کے لئے کسی کتاب کی عبارت لکھنی چاہئے تھی۔ یا اُسے مدلل طور پر پُرزور عبارت میں ثابت کرنا تھا۔ مگر افسوس مولوی صاحب نے غیر ضروری امر پر ہی اپنا سارا زور بل لگا دیا اور جس امر کو دلیل سے ثابت کرنا تھا وہاں پہنچ کر بیدم ہوگئے۔ مولوی صاحب ہوش کی لیں اور خواب غفلت سے بیدار ہوں۔

معاملہ ایسا نہیں جیسا آپ کو وہم ہوا ہے۔ وما قتلوہ وما صلبوہ کے معنے
تین طریق سے ہوسکتے ہیں اوّل اگر نفی قتل کو مفعول پر مقصور رکھیں تو اُس کے
معنی یہ ہونگے اور یہود نے مسیح علیہ السلام کو قتل نہیں کیا اور نہ اُس کو صلیب
پر چڑھایا۔ اس کے خلاف یہ ہوگا کہ کسی اور کو صلیب پر چڑھایا اور قتل
کیا۔ وھذا الوجہ ھو الحق۔ دوم اگر نفی قتل کو فاعل پر مقصور رکھیں
تو معنے یہہ ہونگے۔ مسیحؑ کو یہود نے قتل نہیں کیا اور نہ اُس کو صلیب پر چڑہایا
اس کے خلاف یہہ ہوگا کہ یہود کے سوا کسی اور نے مارا اور یہ وجہ ضعیف ہے
اسکی تفصیل انشاء اللہ آگے آیگی۔ سوم اگر نفی کو افعال مذکورہ پر مقصور کریں
تو معنے یہ ہونگے۔ مسیحؑ کو یہود نے قتل نہیں کیا اور نہ صلیب پر چڑہایا ہے۔
اس کے خلاف یہ ہوگا کہ کسی اور طرح سے مرگیا۔ اور یہ وجہ بھی ضعیف ہے۔
ناظرین انصاف سے دیکھیں کہ ان ہرسہ وجوہ میں سے ولکن شبہ لہم کو کس وجہ
سے تعلق ہے اگر انصاف سے غور کیا جاوے تو صاف معلوم ہوجائیگا کہ
ولکن شبہ لہم کو ان وجوہ میں سے صرف صورت اولیٰ ہی سے مناسبت ہے۔ اور
جمیع مفسرین رحمہم اللہ نے بالاتفاق یہی معنے کئے ہیں صورت دوم سے
اسلئے نہیں کہ اس صورت میں فعل کی اسناد اُس فاعل کی طرف نہیں کی گئی
اور نیز اسلئے کہ اس صورت میں یہود کا ذکر یا باسم ظاہر چاہئے تھا یا ضمیر مرفوع
منفصل لانی چاہئے تھی۔ صورت سوم اسلئے ضعیف ہے کہ جب اس صورت
کے خلاف یہ تھا۔ کہ وہ کسی اور طرح مرگیا تو پھر فعل کی نفی یہود کی طرف اسناد
کرکے نہ کی جاتی بلکہ عام طور پر کہا جاتا کہ اس کو کسی نے نہیں مارا وہ تو اپنی موت
سے بستر پر مرا ہے۔ کیونکہ اس صورت میں احد میں بنا بر عدم تعیین نکارت و
عموم ہے اور یہود اسکی نسبت خاص۔ اور خاص کی نفی سے عام کی نفی نہیں

ہو سکتی۔ باقی رہی صورت اول سو اس کو جملہ ولکن شبہ لہم سے پورا پورا تعلق ہے
اور وہ یہ ہے کہ یہود نے مسیح کو قتل نہیں کیا اور نہ اُنہوں نے اُسے صلیب پر چڑھایا
لیکن کسی ایسے شخص کو صلیب پر چڑھایا جو اُن کے لئے از روئے مکر کے مسیح کا
ہم شکل بنایا گیا تھا۔ کیونکہ جب اللہ تعالیٰ نے ماقتلوہ وما صلبوہ سے مسیح علیہ السلام
سے مصلوبیت و مقتولیت کی نفی کردی تو وہم ہو سکتا تھا اور وہ وہم معقول تھا
کہ قتل اور صلب حسی امر ہیں وہمی اور خیالی نہیں اسلئے کوئی نہ کوئی تو ضرور مصلوب
و مقتول ہوا تھا۔ اگر وہ مقتول مسیح نہیں تھا تو اور کون تھا۔ سو ضرور تھا کہ اسکا
جواب دیکر ازالہ وہم کیا جاتا۔ پس ولکن شبہ لہم سے اللہ تعالیٰ نے اس وہم کو دفع
کیا اور حقیقت امر کھولدی۔ کہ وہ کوئی اور شخص تھا۔ جو کہ یہود کے لئے مکراً ہم مسیح
کا ہم شکل بنایا گیا تھا۔ اس میں شائد کوئی کوتاہ نظری سے یہ سوال کرے کہ فعل
شُبِّہَ کی اسناد کس کیطرف ہے کیونکہ اگر اسے مسند الی المسیح کہا جائے تو مسلمانوں
کے اعتقاد میں مسیح مشبہ بہ ہیں۔ اور یہاں ذکر مشبہ کا ہے اور اگر کسی اور مقتول و
مصلوب کی طرف اسناد کی جاوے تو اُسکا اوپر ذکر نہیں ھذا تقریر السوال۔
اسکا ایک جواب باتفاق جمہور مفسرین یہ ہے جو امام رازی علیہ الرحمۃ نے دیا
ہے ان یسند الی ضمیر المقتول لانہ قولہ وما قتلوہ وما صلبوہ یدل علی انہ
وقع القتل علی غیرہ فصار ذلک الغیر مذکورا بھذا الطریق فحسن اسناد
شبہ الیہ یعنی یہ کہ یہ فعل مسند ہے طرف ضمیر کی جو مقتول کی طرف پھرتی
ہے۔ کیونکہ قول وما قتلوہ وما صلبوہ اسبات پر دلالت کرتا ہے کہ کسی اور
شخص پر قتل واقع ہوا۔ پس اس طریق سے وہ مقتول مذکور ہوا اور شبہ کا
اسناد اسکی طرف ٹھیک ہوا۔ اور نیز انا قتلنا المسیح سے بھی اس مقتول کا
ذکر سمجھ میں آسکتا ہے جیسا کہ قاضی بیضاوی نے فرمایا اوالی ضمیر المقتول

لدلالة اناقتلنا علی ان ثم قتیلا ..... یعنی یا طرف ضمیر مقتول کی کیونکہ انا قتلنا المسیح اسپر دلالت کرتا ہے کہ وہاں کوئی تو ضرور مقتول تھا +

مولوی صاحب نے شبہ کی اسناد کی توجیہ میں تفسیر بیضاوی کی عبارت نقل کرکے عوام کو اور دھوکا دینا چاہا ہے کہ گویا اس توجیہ میں پہلے مفسر بھی ان سے متفق ہیں۔ اچھا مولوی صاحب اگر قاضی بیضاوی علیہ الرحمۃ کی عبارت آپ کے مفید ہے تو قاضی بیضاوی ہی سے پوچھ لیجئے کہ وہ مسیح علیہ السلام کی رفع کے بارے میں کیا اعتقاد رکھتے ہیں۔ مولوی صاحب تفسیر بیضاوی درسی کتاب ہے اور آپنے نہیں پڑھی ہوئی تفسیر بیضاوی آپ جیسے ماہروں سے حل نہیں ہوسکتی بندہ آپ کو پھر وہی نصیحت کرتا ہے ؎

بجائے بزرگان دلیری مکن | چو سرپنجہ ات نیست شیری مکن

تفسیر بیضاوی کا حل اُن لوگوں کے ہی سپرد کریں جنہیں اللہ تعالی نے اُس کے حل کرنے کے لئے پیدا کیا ہے ع ہر کسے را بہر کارے ساختند۔

؎ خلق اللہ للحروب رجالا | ورجالا لقصعۃ وثرید

مولوی صاحب آپ مفسرین کے مختلف اقوال سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتے مفسرین کے ایک آیت کے ذیل میں کئی اقوال کے نقل کرنے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ وہ اقوال آپسمیں متضاد ہیں اور اُنسے نتیجہ ایک نہیں نکلتا۔ بلکہ یہ معنے ہیں کہ ہر ایک صورت میں نتیجہ ایک ہی ہے اس کے اثبات کی کئی صورتیں ہیں اور جس قول سے نتیجہ اُلٹ نکلتا ہو اُس کی تضعیف کردیتے ہیں آپ ذرا غور کریں کہ اگر شبہ کی اسناد جار مجرور کی طرف کرنے یا ضمیر مقتول کی طرف کرنے سے نتیجہ ایک نہیں نکلتا تو معاذ اللہ مفسرین پر یہ الزام عائد ہوگا۔ کہ وہ قول راجح اور مرجوح اور ضعیف اور قوی میں تمیز نہیں کرسکتے تھے۔ صرف مختلف اقوال

کا نقل کر دینا جانتے تھے اور ان میں قوت فیصلہ نہ تھی یا یہ نتیجہ نکلیگا کہ معاذ اللہ
قرآن شریف ایسی کتاب ہے کہ اس کے مضامین کے بیان میں اتفاق رائے
نہیں اگر ان اختلافات کو اس طریق پر جیسا کہ ہمنے بیان کیا ہے سمجھا جاوے
تو مفسرین کی بھی علو شان ثابت ہوتی ہے اور قرآن کریم کی بھی۔ مفسرین کی
اس طرح کہ گویا وہ ایسے وسیع النظر اور ماہر ہیں کہ ایک امر کو کئی وجوہ سے ثابت
کر سکتے ہیں۔ قرآن کریم کی اس طرح کہ یہ ایک ایسی کتاب ہے جو اپنے مضامین کے
اثبات کے لئے اپنے اندر ہی کئی دلائل رکھتی ہے۔ فافہم۔
اب ہم بفضلہ تعالٰے شبہ کی اسناد کی نسبت مفسرین کے اقوال نقل کر کے
مولوی صاحب کے فہم سے وہم کو دور کرتے ہیں اور ثابت کرتے ہیں کہ ہر صورت
میں نتیجہ یہی ہے کہ کوئی اور شخص مسیح علیہ السلام کا ہم شکل بنایا گیا تھا اور وہی صلیب
پر کھینچا جا کر مارا گیا تھا۔ تفسیر بیضاوی میں ہے۔ وشبہ مسند الی الجار والمجرور
کانہ قیل ولکن وقع لھم التشبیہ بین عیسٰے والمقتول مولوی صاحب
اس توجیہ کی طرف صفحہ ۱۵ کے حاشیہ میں یوں اشارہ کرتے ہیں" بعض مفسرین
نے شبہ کا اسناد جار مجرور کی طرف بھی مانا ہے جس کے یہ معنے ہوئے ولکن
وقع لھم التشبیہ اے شبہ علیھم الامر وجعل الامر مشتبہا لھم" مولوی صاحب
نے اس ایک سطر عبارت کے نقل کرنیمیں جو خیانت کی ہے وہ ناظرین پر ظاہر
ہو گئی ہوگی۔ اگر جار مجرور کی طرف اسناد کرنے سے معنے آپکے مطلب کے
موافق تھے تو آپنے اگلی عبارت پوری نقل کیوں نہ کی اور بین عیسٰی والمقتول
کی خیانت کیوں کی اور اپنی طرف سے اس کے معنے مشبہ علیھم الامر و
جعل الامر مشتبہا لھم کیوں کئے ایمانداری تو یہ تھی کہ آپ کتاب کی
عبارت پوری نقل کر دیتے پھر سمجھنے والے خود سمجھ لیتے کہ یہ عبارت آپ کے

موافق ہے یا مخالف - مولوی صاحب نے وقع لھم التشبیہ کے معنے شبہ علیھم الا
و جعل الامر مشتبھالھم کر کے اپنی لیاقت علمی کا ایک اور نمونہ دکھایا ہے سبحان اللہ
کہاں کی کہاں لگادی آپ پر تشبیہ اور اشتباہ مشتبہ ہو گئے اور صلہ علی سے
نظر ہی عالی پرواز ہو گئی اور صرف اسی پر ہی بس نہیں کی بلکہ پھر یہ فرمایا "پس
بجائے صلہ علی کے صلہ لام کا اختیار کرنا یہ ایک دقیق بلاغت کی طرف اشارہ
ہے اور وہ یہہ ہے کہ لام عربی میں انتفاع کے لئے آتا ہے" ا مولوی صاحب
آپ کیوں ایسے امور میں دخل انداز ہوتے ہیں جنکے آپ اہل نہیں ہیں آپ
ناحق لغت اور نحو کا مسئلہ چھیڑتے ہیں آپ لغت اور نحو نہیں جانتے - آپ کو
کسی اُستاد کے اس مصرع سے نصیحت کیجاتی ہے ع نکتہ داں نشود کرم گر کتاب خورد
خواب غفلت سے بیدار ہو کر آنکھوں سے نیند ملیں اور اُن میں سرمہ حق نما لگاکر
اس عبارت کو پڑھیں اشتباہ اور تشابہ وغیرہ کا صلہ جب علی آوے تب انکو
معنے التباس کے ہوتے ہیں جیسے سورہ بقر میں ہے ان البقر تشابہ علینا
اور سورہ رعد میں ہے فتشابہ الخلق علیھم اور سورہ انعام میں ہے وللبسنا علیھم
اور قاموس میں ہے - شبہ علیہ الامر تشبیھا لبس علیہ -

آپنے ناحق شبہ علیھم الامر اور وقع لھم التشبیہ کو ایک بنا کر اپنی بضاعت
مزجاۃ پر ہنسایا - مولوی صاحب لکھتے ہیں کہ عربی میں لام انتفاع کے لئے آتا
ہے - مولوی صاحب نے مطولات کا مطالعہ نہیں کیا اگر کیا ہوتا تو ضرور
جانتے کہ عربی میں لام کئی معنوں کے لئے آتا ہے ایک اُن میں سے ضرار ہے
جیسے آیت فیکید والک کیدا میں - ایسے ہی ولکن شبہ لھم میں بھی
ضرار کے لئے ہے - وجہ اسکی یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ومکروا ومکر اللہ
یہود کا مکر یہ تھا کہ حضرت مسیح علیہ السلام کو مصلوب کر کے قتل کر ڈالیں اللہ تعالیٰ کا

مگر اُن کے مقابلے میں یہ ہوا کہ اُنہی میں سے ایک شخص کو مسیح کا ہم شکل بنا کر اُن کے اپنے ہاتھ سے مصلوب کرا کے مقتول کرایا جن کا ضرر اُن ہی پر پڑا بحکم ولا یحیق المکر السیئ الا باھلہ الایۃ۔ دیکھو دونوں آیتوں میں مکر اور کید کے لفظ ہیں جو آپسمیں مترادف ہیں۔ جملہ ومکر اللہ میں مکر کے معنے فریب نہیں ہیں تعالی اللہ عن الخداع۔ دیگر یہ کہ جار مجرور کی طرف اسناد کرنے سے الامر کہاں سے نکال لیا اصل بات یہ ہے کہ مولوی صاحب بیچارے مفسرین کے اقوال سمجھنے کی لیاقت نہیں رکھتے۔ تفسیر بیضاوی میں عبارت مذکورۂ الصدر کے آگے ہے ادنی الامر علی قول من قال لم یقتل احد ولکن ارجف بقتلہ فشاع بین الناس اس عبارت میں سے نی الامر کو دیکھ کر پہلی توجیہ سے ملا لیا اور ایک الگ عبارت بنا کر مفسرین علیہم الرحمۃ کے ذمے لگانی چاہی **ف** واضح ہو کہ مولوی صاحب نے یہ عبارت بھی صفحہ ۳ میں نقل کی ہے اور اسمیں یہ خیانت کی ہے کہ نی الامر کی جگہ الی الامر لکھ کر اپنے مطلب کے موافق معنے گھڑ لئے ہیں یا جس نسخہ تفسیر میں مولوی صاحب نے نقل کیا ہے مولوی صاحب کی بدقسمتی سے اُس میں ہی غلط لکھا ہوگا اور مولوی صاحب اسکی تصحیح کی استعداد نہیں رکھتے ہونگے۔ زیادہ اطمینان کے لئے تفسیر ارشاد العقل السلیم کا مطالعہ کریں تا آپ کو سمجھ آجاوے کہ صحیح عبارت نی الامر ہے نہ الی الامر۔ فافہم۔ **مطلب** اس عبارت کا پہلی عبارت کو ملا کر یہ ہے کہ یہود کے لئے مسیح علیہ السلام اور مقتول میں تشبیہ واقع ہو گئی۔ یعنی اُنکی نظر میں مقتول مسیح نظر آیا۔ یا اس معاملے میں اُن کے لئے تشبیہ واقع ہوئی ادنی الامر کا عطف عبارت متقدمہ بین عیسٰے والمقتول پر ہے گویا عبارت یوں ہے۔ اد تم لھم التشبیہ نی الامر الخ اور یہ عبارت بعطف تردیدی کوئی نئی ترکیب نہیں جیسا کہ مولوی صاحب نے خوش فہمی سے سمجھا ہے بلکہ شبہ کی

جار مجرور کی طرف اسناد کرتے ہیں جو دوسرے معنے ہو سکتے تھے وہ ذکر کئے ہیں اور ان معنوں کے ضعف کی طرف بھی علے قول من قال سے اشارہ کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے جن لوگوں کو تفاسیر کا دیکھنا اور پڑھنا اور پڑھانا دیا ہے وہ اسے خوب پہچانتے ہیں کہ یہ قول شاذ ہے۔ اور پھر بھی اس میں مسیحؑ کی عدم مصلوبیت کی تصریح ہے اور رفع جسمی کی نفی نہیں

مفسرین کا دوسرا قول شبہ کے اسناد کی نسبت وہ ہے جو پہلے امام رازی اور قاضی بیضاوی کی تفاسیر سے گزر چکا۔ ناظرین ان دونوں قولوں کو سامنے رکھ کر انصاف سے نظر کریں کہ دونوں ترکیبوں سے نتیجہ ایک ہی نکلتا ہے یا الگ الگ؟ اور وہ نتیجہ یہ ہے کہ مسیح علیہ السلام کے سوا کوئی اور شخص مصلوب ہو کر مقتول ہوا۔ یہ سارا بیان مولوی صاحب کی وجہ پر رد ہے جو ضمناً کیا گیا۔

مفسرین علیہم الرحمۃ کی یہ ترکیب کہ شبہ کی اسناد ضمیر مقتول کی طرف ہے۔ نہایت ٹھیک اور قواعد لسان کے بالکل مطابق ہے۔ کما قال ابن ھشام مغریا الی ابن مالک انہ لکن غیر عاطفۃ والواو عاطفۃ لجملۃ حذف بعضھا علے جملۃ صرح بجمیعھا قال فالتقدیر فی نحو ما قام زید ولکن عمرو ولکن قام عمرو و فی ولکن رسول اللہ ولکن کان رسول اللہ۔

مولوی صاحب بیچارے علم نحو کی برکت سے ایسے کورے ہیں کہ کسی کتاب کی عبارت نقل کرتے وقت امر مقصود اور غیر مقصود میں تمیز نہیں کر سکتے۔ بے تکی ہانک دیتے ہیں خواہ پھر سر ہی کی پڑے۔ لکن مشددۃ النون کا قاعدہ لکھا اور چونکہ ولکن شبہ لھم میں لکن مخففۃ النون مع الواو تھا۔ اسلئے اعتراض سے بچنے کے لئے ایک عبارت کے پیچھے اتنا دنبالہ اور لگا دیا۔ یجوز معھا اے لکن مشددۃ او مخففۃ الواو وھی اما لعطف جملۃ علی جملۃ واما اعتراضیۃ اور اس دنبالہ نے آپکی سخت تفضیح کی کیونکہ لکن پر واو کے داخل ہونے میں تو کوئی خلاف و نزاع تھا ہی نہیں

نزاع تو اسمیں تھا کہ جس لکن مخففۃ النون پر واؤ داخل ہو اُس کا حکم کیا ہے آپ اتنا تو سوچ لیتے کہ جب آیت میں لکن مخففۃ النون مع واو کے ہے تو اُسکا بھی کسی کتاب سے قاعدہ دیکھ لیں مبادا اس میں خصم کے مذہب کی کوئی تائید ہو اور پھر ندامت نہ اُٹھانی پڑے اور مزید براں آیت سورہ احزاب ولکن رسول اللہ کی ترکیب لکھدی اور خیال نہ فرمایا کہ ائمہ نحو نے اسکی ترکیب کس طرح کی ہے۔ شاید وہ ترکیب خصم کے مذہب کی موید ہو۔ مولوی صاحب! اب تو خوب دیکھ لیا یا نہیں کہ جس طرح ما قام زید ولکن عمرو میں قام محذوف ہے اور آیت ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین میں کان محذوف ہے اور کانَ اور قامَ وہی افعال ہیں جو پہلے جملوں میں نفیاً مذکور ہیں اسی طرح ما قتلوہ وما صلبوہ ولٰکن شبہ لَھُمْ میں تقدیر عبارت یوں ہے ولکن صلبوا وقتلوا من شبہ لھم۔ تفسیر کشاف جو قرآن شریف کی عربیت وفصاحت وبلاغت کے ذکر کرنیمیں سب تفسیروں کی اُستاد ہے اُس میں یوں لکھا ہے ولٰکن شبہ لھم من قتلوہ اور یہی الفاظ بعینہا تفسیر مدارک میں ہیں اور تفسیر رحمانی جو نکات ومعارف قرآنیہ میں لاثانی ہے اس میں بھی ولٰکن قتلوا وصلبوا من القی علیہ شبھہ لکھا ہے۔ اس قاعدے کی دوسری مثال آیت ما کان لبشر ان یوتیہ اللہ الکتٰب والحکم والنبوۃ ثم یقول للناس کونوا عبادا لی من دون اللہ ولٰکن کونوا ربانیین الایۃ۔ اس میں تقدیر عبارت یوں ہے ولٰکن یقول کونوا ربانیین اسی طرح اس قاعدے کی مثالیں بہت ہیں۔

اب آپ برائے خدا اپنی ہی پیش کردہ آیت سورہ احزاب کی مثال سے اس آیت کو سمجھیں اور امام ابن مالک اور ابن ہشام اور علامہ نسفی اور علامہ علی مہائمی اور فارسِ میدانِ فصاحت علامہ جار اللہ زمخشری کی ترکیب کو تسلیم کر کے

حزب اللہ میں داخل ہو جائیں اور کادیانی کے عقائد سے جلد توبہ کرکے اُس کے مکائد سے بچ جائیں کیونکہ آیت احزاب ختم نبوت و رسالت پر نص قطعی ہے اور کادیانی مدعی رسالت ہے اور آپ اس کی رسالت کا اقرار کرتے ہیں چنانچہ آپ کی نظم دلچسپ میں سے ایک شعر پیش کیا جاتا ہے ؎

ہے مقتدا امام و رسول خدا ہے وہ   صادق ہے اور امین ہے عالی خطاب ہے

مناسب معلوم ہوتا ہے کہ رسالہ جواب باصواب کے باقی بعض قابل اعتراض مقامات پر بنظر تحقیق نقض کیا جائے اور مجیب صاحب کو جتلا دیا جائے کہ ان کا فخریہ مصرع "اسکا ہر ایک نکتہ مگر لاجواب ہے" کہانتک درست اور بجا ہے۔

قولہ۔ اُن کے اپنے اقرار سے ثابت ہو گیا کہ صلیب پر ضرور کوئی ایسا شخص چڑھایا گیا ہے جس کا ناک۔ کان۔ آنکھ وغیرہ تمام اعضاء مسیح کے اعضاء کے مشابہ تھے گویا ہو بہو وہی تھا انتہےٰ صفحہ ۱۹۔ **اقول** اس قولِ نامبارک وغیر معقول سے روز روشن کی طرح ظاہر ہو گیا۔ کہ مجیب صاحب کا دماغ قوت ممیزہ سے بالکل بے بہرہ ہے کیونکہ مشابہت صوری سے اتحادِ ذوات لازم نہیں آتا جیسے کہ حضرت مریمؑ کے پاس حضرت جبریل علیہ السلام کے بصورت بشری آنیکی نسبت اللہ تعالےٰ نے فتمثل لھا بشرا سویا فرمایا اور اس کے بعد قول انما انا رسول ربك سے ظاہر کر دیا کہ باوجود بشری صورت میں ہونیکے حقیقت ملکیت اُن سے منتزع نہیں ہوئی تھی بلکہ فرشتے کے فرشتے ہی تھے۔ اسی طرح جو شخص حضرت مسیحؑ کا ہم شکل بنایا گیا تھا۔ اُس کی ذات اور حقیقت وہی رہی تھی جو شباہت پڑنے سے پیشتر تھی گو حضرت مسیحؑ کی صورت اُس پر ڈالدی گئی تھی۔ اسکے نظائر و امثال کتب حدیث و قصص اولیائے عظام میں بکثرت ہیں اور اصطلاح صوفیائے کرام میں اسے خلع کہتے ہیں۔ مثلاً حضرت جبریل علیہ السلام کا رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم

کی خدمت میں بارہا بصورت بشری آنا صحیح بخاری۔ صحیح مسلم اور سنن نسائی وغیرہ کتب حدیث میں مصرح ہے۔ اور حضرت ابراہیم علیہ السلام اور لوط علیہ السلام کے پاس جو فرشتے بصورت بشری آئے تھے اُن کا ذکر بھی قرآن شریف میں مقامات متعددہ میں مذکور ہے اور سورہ ہود میں اُن سے یالوط انا رسل ربک حکایت کیا۔ اس بیان و تفصیل سے صاف معلوم ہو گیا کہ القار شبہ سے ذات ملقی علیہ متغیر نہیں ہو جاتی۔ بلکہ حقیقت برحال خود قائم رہتی ہے۔ کیونکہ حلیہ اور شکل مثل لباس کے عوارض ہیں سے ہے داخل حقیقت نہیں فافہم۔

قولہ۔ دنیا کی دو کثیر التعداد قومیں یہود و نصارٰے تواتر قومی کے طور پر اس بات پر اتفاق رکھتے ہیں کہ مسیح ؑ صلیب پر ضرور لٹکایا گیا۔ **اقول**۔ حضرت یہود بے بہبود کے قول کو تو اللہ عزیز ذوانتقام نے وما قتلوہ وما صلبوہ سے باطل کر دیا اور انہیں اس قول زور کے سبب ملعون قرار دیا اور آپ ابھی تک اُن کے تواتر پر اترا رہے ہیں۔ اور نصارٰے کے مذہبی اختلافات کی بابت آپ کو کیا معلوم ہے یہ کس جاہل سے سیکھا تھا۔ کہ نصارے مسیح ؑ کے مصلوب ہونے پر اتفاق رکھتے ہیں۔ آپ اُن کی کتب خلافیات کا مطالعہ کریں پھر آپکو معلوم ہو جائیگا کہ نصارٰے کے قدیم فرقے یہی اعتقاد رکھتے تھے کہ حضرت مسیح علیہ السلام مصلوب نہیں ہوئے۔ بلکہ ایک اور شخص صلیب پر لٹکایا گیا تھا جسپر حضرت عیسٰے علیہ السلام کی شکل ڈالی گئی تھی۔ چنانچہ جارج سیل صاحب قرآن شریف کے ترجمہ انگریزی میں بذیل آیت ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین جو کچھ لکھتے ہیں وہ ہدیہ ناظرین کیا جاتا ہے۔ ناظرین انصاف سے غور کریں اور رائے دیں کہ کیا حضرت روح اللہ علیہ السلام کا مصلوب ہونا عیسائیوں کا اتفاقی اعتقاد ہے؟

Beg: 152779, HL: 6433

عبارت سیل صاحب

This stratagem of God's was taking of Jesus up into heaven, and stamping his likeneness on another person, who was apprehended and crucified in his stead. For it is the constant doctrine of the Mohammedans that it was not Jesus himself who underwent that ignominious death, but somebody else in his shape and resemblance. The person crucified some will have to be a spy that was sent to entrap him; others, that it was one Titian, who by the direction of Judas entered in at a window of the house where Jesus was, to kill him; and others that it was Judas himself, who agreed with the rulers of the Jews to betray him for thirty pieces of silver, and led

those who were sent to take him.

They add that Jesus after his Crucifixion in effigy, was sent down again to the earth, to comfort his mother and disciples, and acquaint them how the Jews were deceived; and was then taken up a second time into heaven.

It is supposed by several that this story was an original invention of Mohammed's; but they are certainly mistaken; for several sectaries held the same opinion, long before his time. The Basilidians, in the very beginning of Christianity, denied that Christ himself suffered, but that Simon the Cyrenean was crucified in his place. The Cerinthians before them, and the Carpocratians next, (to name no more of those who affirmed Jesus to have

been a mere man), did believe the same thing; that it was not himself, but one of his followers very like him that was crucified. Photius tells us, that he read a book entitled The Journeys of the Apostles, relating the acts of Peter, John, Andrew, Thomas and Paul, and among other things contained therein, this was one; that Christ was not crucified but another in his stead, and that therefore he laughed at his crucifiers, or those who thought they had crucified him.

I have in another place mentioned an apocryphal gospel of Barnabas, a forgery originally of some nominal Christians, but interpolated since by Mohammedans; which gives this part of the history of Jesus with circumstances too

Curious to be omitted. It is there in related, that the moment the Jews were going to apprehend Jesus in the garden, he was snatched up into the third heaven, by the ministry of four angels, Gabriel, Michael, Raphael, and Uriel. that he will not die till the end of the world, and that it was Judas who was crucified in his stead; God having permitted that traitor to appear so like his master, in the eyes of the Jews, that they took and delivered him to Pilate. That this resemblance was so great, that it decieved the Virgin Mary and the apostles themselves; but that Jesus Christ afterwards obtained leave of God to go and comfort them. That Barnabas having then asked him, Why the divine goodness had suffered the mother and disciples of

so holy a prophet to believe even for one moment that he had died in so ignominious a manner? Jesus returned the following answer, "O Barnabas, believe me that every sin, how small soever, is punished by God with great torment; because God is offended with sin, My mother therefore and faithful disciples, having loved me with a mixture of earthly love, the just God has been pleased to punish this love with their present grief, that they might not be punished for it hereafter in the flames of hell, And as for me, though I have myself been blameless in the world, yet other men having called me God and the Son of God, therefore God, that I might not be mocked by the devils at the day of judgment, has been pleased that in this world I should be mocked by men with the death of Judas,

making everybody believe that I died upon the Cross. And it is that this mocking is still to continue till the coming of Mohammed, the messenger of God, who coming into the world, will undeceive every one who shall believe in the law of God from this mistake.

خلاصہ مطلب عبارت انگریزی

یہود کے خلاف اللہ تعالیٰ کا مکر یہہ تھا۔ کہ عیسےٰ علیہ السّلام کو آسمان پر اُٹھا لیا اور آپ کی شباہت ایک اور شخص پر ڈال دی جو آپ کی بجائے ماخوذ ہو کر مصلوب کیا گیا یہہ مسلمانوں کا متواتر مسئلہ ہے۔ بعض (عیسائی) لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ یہ قصہ القاء شباہت کا معاذاللہ محمّد رسول اللہ صلعم کا اپنا اختراع ہے۔ مگر وہ لوگ یقیناً غلطی پر ہیں کیونکہ پیغمبر صاحب کے زمانے کے بہت مدت پہلے عیسائیوں کے بہت سے فرقوں کا یہی اعتقاد تھا۔ چنانچہ فرقہ بے سی لی ڈین جو عیسائیت کے نہائت شروع میں تھا مسیح علیہ السلام کے مصلوب ہونے سے انکار کرتا تھا اور اُن کا اعتقاد یہ تھا کہ سائمن آپ کی جگہ صلیب پر لٹکایا گیا تھا۔ ایسے ہی فرقہ سیر نتھین جو اُن سے بھی پیشتر تھا اور کارپا کریشن جو مسیح علیہ السلام کو صرف انسان ہی مانتے ہیں اُن کا بھی یہی اعتقاد تھا کہ مسیح علیہ السلام خود مصلوب نہیں ہوئے بلکہ آپ کے حواریوں میں سے ایک شخص جو آپکا ہم شکل تھا صلیب دیا گیا۔ مصنّف فوٹیس کہتا ہے کہ نینے ایک کتاب بنام

رسولوں کے سفر نامے پڑھی جسمیں پطرس - یوحنا - اندریاس - طامس اور پولوس کے اعمال مندرج تھے - اور منجملہ دیگر امور کے ایک امر یہ بھی تھا کہ مسیح ؑ مصلوب نہیں ہوئے بلکہ آپ کی بجائے کوئی اور شخص صلیب دیا گیا تھا اور اسلیئے حضرت مسیح ؑ اُن لوگوں پر ہنسے جنہوں نے اپنے زعم میں آپکو صلیب پر چڑھایا تھا اسکے بعد سیل صاحب نے انجیل برنباس کی عبارت نقل کی ہے جسکا مطلب یہ ہے کہ جب یہودا یہود حضرت مسیح علیہ السلام کو پکڑنے کے لئے جا رہے تھے آپ بوساطتِ چار فرشتگان حضرت جبرئیل - میکائیل - اسرافیل اور یوریل تیسرے آسمان پر اُٹھا لئے گئے کہ آپ آخر دنیا تک نہ مرینگے اور آپ کی بجائے یہودا اسکریوطی صلیب دیا گیا - اللہ تعالیٰ نے اس مکار کو یہود کی نظروں میں حضرت مسیح ؑ کے ایسے مشابہ کر دیا کہ یہود اس کو پکڑ کر پلاطوس کے پاس لے گئے یہ مشابہت صوری ایسی عجیب تھی کہ اس سے حضرت مریم ؑ اور حواریین بھی بھول گئے مگر حضرت مسیح ؑ اللہ تعالے سے اجازت لیکر اُن کو تسلی دینے کے لئے پھر نازل ہوئے اسپر برنباس جو عیسےٰ علیہ السلام کا ایک حواری تھا اُسنے آپ سے پوچھا کہ آپ نے ہم کو اور اپنی والدہ ماجدہ کو کیوں اس غم اور تکلیف میں رکھا کہ آپ ایسی بُری موت سے مرے گو یہہ تھوڑی دیر کے لئے تھی - حضرت مسیح علیہ السّلام نے اسپر یہ جواب دیا کہ اے برنباس سچ جانیو! کہ گناہ خواہ وہ کتنا ہی چھوٹا ہو - اللہ تعالیٰ کے نزدیک سخت سزا کے لائق ہوتا ہے - کیونکہ اللہ تعالیٰ گناہ سے ناراض ہے - میری والدہ ماجدہ اور مومن حواریوں نے مجھے نفسانی پیار کی آمیزش سے محبت کی اسلیئے اللہ تعالیٰ نے اُن کو اس موجودہ غم سے سزا دی تاکہ اُن کو پھر دوزخ کی سزا نہ ہو اور میری تو یہ بات ہے کہ اگرچہ میں دنیا میں بے عیب رہا ہوں مگر چونکہ اور لوگوں نے مجھے خدا اور خدا کا بیٹا کہا اس لئے اللہ تعالیٰ

نے کہ میں قیامت کے دن شیطانوں سے مضحکہ نہ کیا جاؤں یہودہ اسکریوطی

کی موت سے مجھ پر یہ مضحکہ کرا دیا کہ مسیح صلیب پر مارا گیا . . . . . .

. . . . اور دیکھ یہ مضحکہ محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ

علیہ و آلہ وسلم کے آنے تک رہیگا وہ دنیا میں آکر ہر اُس شخص کو اِس غلطی سے

نکالینگے جو اللہ تعالیٰ کی شریعت کا متبع ہوگا انتہےٰ

اِس عبارت سے صاف ظاہر ہے کہ مسیح علیہ السلام کی عدم مصلوبیت کا

اعتقاد نصاریٰ کے قدیم فرقوں میں مسلم تھا۔ اور اُن کی قدیم تصانیف بھی

اس امر کی شہادت دیتی ہیں اگرچہ وہ کسی غرض سے اُن کو مخفی رکھیں مگر بحکم شعر

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد — کہ خمیر مایۂ دکانِ شیشہ گر سنگیست

اور بفحوائے حدیث صحیح مسلم ان اللہ یوید ھذا الدین بالفاسق الفاجر۔

اللہ تعالیٰ نے اعدار اسلام سے بھی اسلام کی تائید کرائی جس طرح کہ موسیٰ علیہ السلام

کی تربیت فرعون کے گھر میں کی انجیل برنباس کے متعلق ایک اور نکتہ ہے

کہ کادیانی دعوے مسیحیت سے پیشتر عیسائیوں کے مقابلے میں رسول اللہ صلعم

کی نبوت کے ثابت کرنے میں اسی انجیل برنباس سے انہیں ملزم کیا کرتا تھا

اب اسکے اپنے ہی الزام سے ہم اس کو ملزم کرتے ہیں کہ یہ عبارت جو وہ عیسائیوں

کو سناتے تھے خود پڑھیں اور اگر ہو سکے تو تھوڑا سا شرما بھی چھوڑیں۔ ولنعم ما

قال الشیرازی علیہ الرحمۃ ع بہ بند د طمع دیدۂ ہوشمند۔ کادیانی نے اپنے طمع

مسیحیت کے لئے رسول اللہ صلعم کے اثباتِ نبوت کے حوالہ کو بھی مکذوب

بنایا قاتلھم اللہ انی یوفکون۔

قولہ بحکم احالت العادۃ تواطئہم علی الکذب **اقول** جناب مولوی صاحب!

آپ کتب درسیہ کے سمجھنے کی استعداد نہیں رکھتے۔ لہذا نقلِ عبارات سے

اپنی تفضیح نہ کرایا کریں۔ شرح نخبہ میں سے یہ عبارت تو دیکھ لی مگر تواتر کے افادہ یقین کی شروط کے لئے اگلے صفحہ کو اُلٹ کر نہ دیکھا۔ اگر تواتر کا مدار صرف کثرت پر ہے تو افواہ اور اخبار بے سر و پا کس کا نام ہے پھر تو آپ کے نزدیک ہندؤں کا یہ قول کہ راون کے دس سر تھے اور ہنومان نے پہاڑ اُٹھا لیا اور ایسے ایسے اور خز عبلات جو ان میں ذائع و شایع ہیں سب متواترات میں سے ہونگے کیونکہ ان امور کو ہزاروں لوگ روایت کرتے چلے آئے ہیں جناب من! تواتر کے افادہ یقین کے لئے ایک شرط ہے کہ منتہیٰ اس کا حس ہو دیکھئے شرح نخبہ کے اگلے صفحہ پر ہے فاذا اجمع ھذہ الشروط الاربعۃ وھی عدد کثیر احالت العادۃ تواطئھم وتوافقھم علی الکذب ورووا ذلک عن مثلھم من الابتداء الی الانتھاء وکان مستند انتھائھم الحس وانضاف الی ذلک ان یصحب خبرھم افادۃ العلم لسامعہ فھذا ھو المتواتر۔

اور اسی طرح علامہ سخاوی نے فتح المغیث میں بعد ذکر دیگر شروط کے فرمایا ھذا کلہ مع کون مستند انتھائہ الحس من مشاھدۃ او سماع لان ما لا یکون کذالک یحتمل دخول الغلط فیہ۔ آپ عقیدہ مردودہ صلیبیہ کے زعمی تواتر کو حسب ہدایاتِ عباراتِ مذکورہ تحقیق کرینگے تو آپ کو صاف معلوم ہو جائیگا کہ حضرت روح اللہ ؑ کی نسبت یہود و نصاریٰ کا قول صلیب بالکل غلط اور مردود ہے۔ پس اسوقت آپ پر یہ آیت پڑھنی ٹھیک جچیگی فکشفنا عنک غطاءک فبصرک الیوم حدید۔ قولہ ص مسیح تو کیا مسیح سے بھی عالی درجت انبیاء آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم کے خدام کی منزلت نہیں رکھتے" اور نیز کہا "مسیح تو ایک معمولی انسان ہے۔ اور اس قابل بھی نہیں کہ آنحضرت ص کے خدام کی برابری کر سکے" ص اقول رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی

غائت مافی الباب ولائت کے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ پر پہنچ سکتے ہیں نبی نہیں ہوسکتے
کیونکہ آیت وخاتم النبیین مانع ہے اور ولی کو نبی پر فضیلت دینی اہل سنت کے
نزدیک کفر ہے اللہ تعالیٰ نے اس فرقہ متبدعہ ضالہ سے ایمان وعلم تو منتزع کیا
ہی تھا عقل وحیا بھی اُن کے نصیب میں رہنے نہ دی۔ نبی اللہ متبوع و مُطاع
ہوتا ہے اور اُمتی تابع و مطیع۔ تابع اپنے متبوع سے کسطرح بڑھ سکتا ہے اور
مطیع مطاع سے کیسے افضل ہوسکتا ہے۔ مجیب صاحب ردا رعلم اسلامی سے
ایسے ننگے ہیں کہ اہل سنت کے مشہور عقائد بھی آپ کو معلوم نہیں قصیدہ امالی
میں ہے ۔ ولم یفضل ولی قط دھرا نبیا او رسولا فی انتحال
اور ملا علی قاری رح اسکی شرح میں فرماتے ہیں۔ وذلک لان الولی تابع للنبی
ولا یکون التابع باعلے مرتبۃ من المتبوع ولان النبی معصوم مامون
العاقبۃ والولی یجب ان یکون خائفا عن الخاتمۃ ولان النبی مکرم
بالوحی و مشاھدۃ الملائکۃ الکرام والرسول مامور بتبلیغ
الاحکام وارشاد الانام بعد اتصافہ بکمالات الولی فی المقامات
الفخام فما نقل عن بعض الکرامیۃ من جواز کون الولی افضل
من النبی **کفر و ضلالۃ** وعبارۃ النسفی فی عقائدہ ولا یبلغ ولی
درجۃ الانبیاء اولیٰ من عبارۃ الناظم لافادتھا نفی المساوات ایضاً انتھیٰ
اسی طرح تمہید ابی الشکور سالمی میں ہے۔ قال اھل السنۃ والجماعۃ ان النبی
افضل من ولی ان کانت درجۃ ادون من درجات النبوۃ وقال المتقشفۃ
من الکرامیۃ انہ یجوز ان یکون الولی افضل من النبی وھذا
کفر انتھیٰ۔ اسی طرح دیگر کتب عقائد میں فرقہ حقہ ناجیہ اہل سنت والجماعۃ
کا یہی مذہب مذکور ہے کہ کوئی ولی کسی نبی کے درجے کو نہیں پہنچ سکتا۔ چہ جائیکہ

اس سے افضل ہوجائے۔ پس مولوی صاحب کا اس کے خلاف لکھنا اُن کی
جہالت پر دلیل بن ہے۔ قولہ ص۵۰ "اگر وہ بقول مشتہر صاحب صلیب پر چڑھا
ہی نہیں سکے تو پھر مکر کون سا ہوا۔ جس کو خدا تعالی نے اپنی کتاب عزیز میں
اُن کی طرف منسوب کیا ہے۔ کیا اللہ تعالی نے بلا وقوع کسی امر کے اس کا
وقوع اُن کی طرف منسوب کر دیا ہے۔ اقول۔ ع۔ سخن شناس نۂ دلبرا
خطا اینجاست۔ یہ امر بھی مجیب صاحب کی بے لیاقتی ظاہر کر رہا ہے۔ کیونکہ
مکر کہتے ہیں تدبیر محکم کو۔ جیسا کہ پہلے ثابت ہو چکا ہے۔ یہود بے بہبود نے حضرت
رح اللہ کو صلیب پر چڑھانے کی صرف تدبیر ہی کی تھی سو اللہ تعالی نے اس
ارادہ بد کو اُن کی طرف منسوب کیا اور جس شخص کو علوم عربیہ میں ادنی ممارست
بھی ہے وہ خوب جانتا ہے کہ ارادۂ انسانی کو وقوعِ فعل لازم نہیں پس یہ
ضرور نہیں کہ جب تک فعلِ صلب کا وقوع نہو تب تک یہود کی طرف ارادہ بد
ایصالِ شر منسوب نہ کر سکیں۔ فافہم مجیب صاحب اگر اپنی ہی عبارات کو محفوظ
رکھتے تو ایسی فاش خطا اور ڈبل غلطی نہ کرتے چنانچہ آپ اسی صفحہ کی سطر دو
میں فرماتے ہیں کہ یہود نے "ایک منصوبہ بنایا" اور تیسری سطر میں "چاہا" لکھتے ہیں
سطر چھ میں پھر "منصوبہ" تحریر کرتے ہیں۔ آپ غور کریں اور انصاف سے کہیں کہ کیا
منصوبہ بنانے اور چاہنے کے یہی معنے ہوا کرتے ہیں کہ وہ امر بالضرور بالضرور
واقع بھی ہو جائے جناب من! ارادہ امرِ دیگر ہے اور صدورِ فعل امر دیگر۔
قولہ ص۵۱ "لیکن دعوے کی تکذیب نہیں کی"۔ اقول حضرت! آیت افلا یتدبرون
القرآن ام علی قلوب اقفالها کے مصداق بھی تو پائے جانے چاہئیں
اگر آپ کو یہود کے دعوے قتلِ مسیح کی تردید و تکذیب معلوم نہیں ہوئی تو اس
میں قصور کس کا ہے ع گر نہ بیند بروز شپرہ چشم چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اللہ تعالیٰ نے یہود کی لاف قتلِ مسیح کو الفاظ انا قتلنا المسیح عیسیٰ ابن مریم رسول اللہ
سے تعبیر کیا ہے۔ اس میں دو امر ملحوظ ہیں اوّل دعویٰ قتل مسیح کو بطورِ مفاخرت ذکر
کرنا کیونکہ نفس قتل امرِ فخر نہیں تھا بلکہ اُن کے زعم میں قتل محلِ خاص میں واقع
ہوا اسلئے متعلق فعل یعنے المسیح کو موصوف ذکر کیا اور یہی مفاخرتِ یہود اس امر
کی موید ہے۔ کہ ما قتلوہ وما صلبوہ میں نفی قتل وصلب کو مقصور علی
المفعول کیا جائے۔ دوم لفظ انا سے اس زعم پر یہود کا جزم۔ سو اللہ تبارک
وتعالیٰ نے اس امر اول کی تکذیب وتردید ما قتلوہ وما صلبوہ سے کردی اور
اُن کے فخر کو خاک میں ملا دیا اور امر دوم یعنے اُن کے جزم کا ابطال وما قتلوہ
یقیناً سے فرمادیا اور حقیقت امر کو ولکن شبہ لھم اور بل رفعہ اللہ الیہ سے
کھولدیا کہ کوئی اور شخص مصلوب ہو کر مارا گیا۔ اور حضرت عیسےٰ علیہ السلام کو
اللہ تعالےٰ نے آسمان پر اُٹھالیا۔

دوسری وجہ جس سے آیت وقولھم انا قتلنا المسیح عیسیٰ بن مریم رسول اللہ
عقیدہ ملعونہ صلیبیہ کی تردید کرتی ہے یہ ہے کہ جن جرائم کے سبب اللہ تعالیٰ جبار
قہار نے یہود بے بہبود پر لعنت کی منجملہ اُن کے قول بقتل وصلب مسیح بھی ہے
اُن جرائم میں سے بعض تو محض اقوال ہیں اور بعض افعال۔ جیسا کہ فبما نقضھم
میثاقھم سے وقولھم انا قتلنا تک غور کرنے سے واضح ہوتا ہے۔ افعال یہ ہیں
اول نقض میثاق کیونکہ یہ خلافِ میثاق کے فعل سے صادر ہوتا ہے۔ دوم
کفر بآیات اللہ کیونکہ یہ منجر الی فعل القبائح ہوا مثل تحریف کلمات اللہ وقتل انبیاءؑ
واخذ رشوت وسود کی ۔ وھذا یمکن ان بعد من الاقوال۔ سوم قتل انبیاءؑ
اور اگرچہ یہ کفر ہی کا نتیجہ ہے مگر چونکہ باصلہ ایک مستقل کفر ہے۔ اسلئے علیحدہ ذکر کیا
گیا۔ اور اقوال یہ ہیں۔ اول اُن کا قلوبنا غلف کہنا۔ دوم حضرت عیسیٰ علیہ السلام

کے بے پدر پیدا ہونے پر قدرتِ قادرِ عزیز سے انکار کرنا اور چونکہ ان کا کفر دو زمانوں میں ہوا۔ اول قبل بعثت عیسیٰ۔ پھر بعد آپ کی ولادت اور بعثت کے اسلئے کفر کو مکرر ذکر کیا اور اسی نکتہ کے لئے اعادۂ جار بھی کیا۔ سوم مریم صفیۃ اللہ علیہا السلام پر بہتان لگانا۔ چہارم ان کا یہہ کہنا کہ ہمنے حضرت مسیح علیہ السلام کو مار ڈالا ہے ناظرین قرآن کریم کی فصاحت اور حسنِ بیان پر غور کریں کہ اللہ تعالےٰ نے اُنکے اقوال و افعال میں کس طرح تفریق کی ہے۔ جملہ افعال کو نسبتِ صدوری و وقوعی سے ذکر کیا کہ مشبک اُن سے یہ افعال قبیحہ سرزد ہوئے کما یشھد بذٰلک طریق البیان اور جملہ اقوال کو مردود و مکذوب فرمایا چنانچہ قولھم قلوبنا غلف کو بل طبع اللہ علیہا بکفرھم سے رد کیا۔ اور حضرت مسیح علیہ السلام کی ولادت باسعادت کے بارے میں جو اقوال مردودہ آپ پر اور حضرت صفیۃ اللہ پر کہے تھے اُن کو ان مثل عیسٰے عند اللہ کمثل آدم اور لفظ بھتان اور قال انی عبد اللہ اور والتی احصنت فرجھا سے رد فرمایا اور دعوےٰ قتل مسیح کو وما قتلوہ وما صلبوہ سے مکذوب کیا۔

اس بیان و تفصیل سے واضح ہوا کہ اگر فعلِ صلب صورتِ فعلیہ میں صادر ہوا ہوتا تو اللہ تبارک و تعالیٰ فعل کو سببِ لعنت قرار دیتا نہ مجرد قول کو۔ اور پھر عبارت وقولھم انا قتلنا المسیح کی بجائے وبصلبھم المسیح ہوتی کیونکہ صلیب پر چڑہانا اور معاذ اللہ رسول برحق کے پاک ہاتھوں میں میخیں لگانا وغیرہ وغیرہ زیادہ سخت جرم ہے مجرد افترو بہتان سے + اس قول بقتل المسیح کے سبب یہود کو ملعون و مردود گردانںے سے یہ بھی ثابت ہوا۔ کہ اللہ تعالےٰ کو حضرت مسیح ؑ کی نسبت یہ قول سخت ناپسند ہے۔ کیونکہ جس حکمت کے لئے اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیح ؑ کو آسمان پر مرفوع کیا اور اسوقت تک زندہ رکھا اور پھر آخری زمانے میں دنیا میں نازل

کریگا۔اس قول مردود سے اس حکمت کا ابطال و بطلان لازم آتا ہے۔ پس اگر اب بھی کوئی شخص حضرت مسیحؑ کی صلیب پر چڑہائے جانے اور اُن کی موت قبل النزول کا قایل ہو تو چونکہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کو باطل کرنا چاہتا ہے۔ اسلئے اسکا حکم بھی یہود بے بہبود کا حکم ہے۔ اس آیت مبارک طیبہ میں ایک اور نکتہ یہہ ہے کہ چونکہ اس ذکر سے پہلے اللہ تعالیٰ نے یہود کے بعض انبیارع کو قتل کرنیکا ذکر کیا اور حضرت مسیحؑ کی نسبت بھی یہود و بعض فرق نصارے کا یہی قول تھا کہ وہ مصلوب ہوکر مقتول ہوئے اور حقیقت الامر اس کے خلاف تھی اسلئے اللہ تعم نے حضرت عیسے علیہ السلام کے قتل و صلب کی نفی علیحدہ طور پر کردی تا کہ کوئی حقیقت ناشناس آپ کو بھی اُن انبیار کے زمرہ میں شمار نہ کرے جو یہود کے ہاتھ سے شہید ہوئے۔ اور اس طرز بیان کو التخصیص بعد التعمیم لاخراج الخاص عن حکم العام کہتے ہیں۔ پس اس آیت سے ملحدین کی صلیب بالکل متہزم و منکسر ہوگئی والحمد للہ علے ذالک۔ اس آیت کی پوری پوری تفسیر رسالہ عربی میں کی جائیگی۔ انشاء اللہ تعالےٰ۔

کسر صلیب کی تیسری آیت وَاِذْ کَفَفْتُ بَنِیْۤ اِسْرَآئِیْلَ عَنْکَ اِذْ جِئْتَھُمْ بِالْبَیِّنٰتِ فَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا اِنْ ھٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِیْنٌ (مائدہ) یعنی اللہ تعم قیامت کے دن حضرت عیسے علیہ السلام کو فرمائیگا کہ میری وہ نعمتیں یاد کرو جو میںنے تمپر کی تھیں منجملہ اُن کے ایک یہہ ہے کہ جب تم بنی اسرائیل کے پاس معجزات لائے اور انہوں نے ان معجزات کو جادو کہہ کر تمپر دست درازی کرنی چاہی۔ تو ہمنے اُن کا ہاتھ تمسے روک رکھا۔ یعنے تمہارے پاس تک نہ آنے دیا ✦ یہ آیت بالصراحۃ صلیب ملحدین کو توڑ رہی ہے۔ کیونکہ اللہ تعالےٰ اس کفِ یہود عن المسیح کو نعمۃ علے المسیح فرماتا ہے اور آپ کو امتناناً یاد کراتا ہے۔ معاذ اللہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام

یہود کے ہاتھ سے صلیب پر چڑھائے جائیں تو اس صورت میں اس امتنان سے کذب باری سبحانہ لازم آتا ہے اور ایسا اعتقاد کفر ہے۔ اعاذنا اللہ من ذالک اسی سورت مائدہ میں صحابہ رضہ کو بھی ایسے ہی کلمات طیبات سے نعمت یاد کرائی ہے چنانچہ فرمایا یاایھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم اذھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم الایۃ۔ یعنے اے مسلمانو! تم اللہ تعالیٰ کی وہ نعمت یاد کرو جو اُسنے تم پر کی جب قوم کفار نے تم پر دست درازی کرنی چاہی تو ہمنے اُن کے ہاتھ تمسے روکے رکھے۔ جس طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حق میں کفار یہود بے بہبود بدکردار نے مکر ایصال شر کیا اور اللہ تبارک وتعالیٰ نے اُن کو آپ تک نہ پہنچنے دیا اسی طرح حضرت محمد رسول اللہ حبیب خدا اشرف انبیا صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں بھی طائفہ یہود بنی نضیر نے ارادہ بد کیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اُن کے شر سے بالکل محفوظ رکھا اور اُلٹا اُن ہی پر وبالِ جلاوطنی نازل کیا۔ یہہ آیت اس نعمتِ عظمیٰ کی تذکیر ویاددہانی کے لئے ہے۔ سبحان اللہ جسطرح حضرت مسیح علیہ السلام کو خطاب یٰعیسی ابن مریم اذکر نعمتی علیک فرمایا اسی طرح اپنے حبیب صلعم اور آپکے اصحاب رضہ کو یاایھا الذین اٰمنوا اذکروا نعمۃ اللہ علیکم سے خطاب کیا۔ اور جسطرح حضرت عیسےٰ ع کو واذ کففت بنی اسرائیل عنک سے نعمت یاد دلائی اسی طرح اپنے حبیب صلعم اور آپکے اصحاب رضہ کو اذھم قوم ان یبسطوا الیکم ایدیھم فکف ایدیھم عنکم سے انعام یاد کرایا پس جس طرح سے اس واقعہ میں رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کو کوئی گزند اور آسیب نہیں پہنچا اسی طرح حضرت مسیح ع کو بھی ہرگز صلیب کی تکلیف نہیں اُٹھانی پڑی۔ اس آیت مبارکہ میں لفظ کفّ کے متعلق ایک دقیق نکتہ یہ

ہے کہ اللہ تعالیٰ نے واذ کففت بنی اسرائیل عنک فرمایا اور واذ
نجیناک من بنی اسرائیل نہ فرمایا۔ کیونکہ صورت ثانیہ میں وہم پڑ سکتا ہے کہ یہود
حضرت عیسے علیہ السلام کو ماخوذ کرلیں اور آپ کو کچھ اذیت بھی پہونچالیں۔ مگر
آخر کار اللہ تعالیٰ آپ کو ان کے ہاتھ سے بچائے۔ جیساکہ عقیدہ ملعونہ ذکر کیا
جاتا ہے۔ اور صورت اولیٰ میں اس وہم کی بالکل تردید ہے۔ کیونکہ جب
اللہ تعالیٰ نے اعداء کو اپنے رسولِ برحق سے بالکل ہٹائے رکھا۔ اور اُن
کے پاس بھی پھٹکنے نہ دیا تو پھر وہ کس طرح کوئی اذیت پہنچا سکتے ہیں۔ اور کیسے
صلیب پر کھینچ سکتے ہیں یہی آئت واذ کففت آئت ومطھرک
من الذین کفروا کی صحیح تفسیر ہے کہ مراد اس تطہیر سے عدم مس یہود ہے
کما سیجیٔ تفسیرہ فی موضعہ انشاء اللہ تفاسیر میں اس آئت واذ کففت
کے ذیل میں ایسا ہی مذکور ہے جیساکہ ذکر کیا گیا۔ یعنے حضرت روح اللہ کو یہود
کے ہاتھ سے کوئی گزند نہ پہونچنے دیا۔ بلکہ تفاسیر مبسوطہ میں اسی آئت کے ذیل میں رفع الی السماء
کی بھی تصریح ہے۔ چنانچہ تفسیر فتح البیان میں ہے۔ ولما اتی عیسے بھذہ
الآیات البینات قصد الیھود تقتلہ فخلصہ اللہ منہم **ورفعہ الی السماء**
اور اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں ہے اے واذکر نعمتی علیک فی کفی ایاھم
عنک حین جئتہم بالبراھین والحجج القاطعۃ علی نبوتک ورسالتک
من اللہ الیھم فکذبوک واتھموک بانک ساحر وسعوا فی قتلک وصلبک
فنجیتک منہم ورفعتک الی وطھرتک من دنسہم وکفیتک شرھم انتہٰے
اور اسی طرح تفسیر کبیر میں ہے۔ روی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام لما اظھر
ھذہ المعجزات العجیبۃ قصد الیھود قتلہ فخلصہ اللہ منہم حیث
رفعہ الی السماء انتہٰے۔ اور اسی طرح تفسیر خازن میں ہے وذلک ان

عیسے علیہ السلام لما اتی بھذہ المعجزات العجیبۃ الباھرۃ فقصد الیھود قتلہ فخلصہ اللہ منھم ورفعہ الی السمآء"۔

کادیانی نے اپنے ازالہ ص میں ان آیاتِ تذکیر انعامات میں کہا ہے کہ اگر حضرت مسیح علیہ السلام آسمان پر اٹھائے گئے ہیں تو ایسا بھاری انعام ان نعمتوں میں کیوں معدود نہیں ہوا۔ کادیانی صاحب آنکھوں پر سے تعسف وجہالت کی پٹی اتار دیں اور چشمِ حق بین سے دیکھیں۔ کہ کیا واذ کففت بنی اسرائیل عنک اسی نعمتِ جلیلہ کی حکایت نہیں کرتی۔ اور اگر آپ کا ذہن مادۂ ذکاوت سے بالکل بے بہرہ ہے اور آپ کی کشتیٔ طبع بحرِ غباوت میں غرقاب ہے تو تفاسیر مذکورۃ الصدر کی دستگیری طلب کریں تا آپ کو اللہ تعالیٰ ساحلِ ہدایت پر لگاوے +

سوال۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو کفار نے آگ میں ڈالدیا اور اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس آگ سے بچالیا اگر یہ کہا جائے کہ یہود نے حضرت روح اللہؑ کو صلیب پر چڑھا دیا مگر اللہ تعالیٰ نے آپ کو زندہ رکھا اور آپ کو ان کے ہاتھ سے نہ مرنے دیا تو اس میں کیا حرج ہے؟

جواب۔ مصنف رسالہ جواب باصواب کو بھی صنا میں یہی خبط ہوا ہے۔ جناب! وقائع اور امور تاریخیہ میں تو قیاس کو بالکل دخل نہیں ہوتا۔ بلکہ ان کا مدار صرف روایت ونقل ہی پر ہوتا ہے۔ وقائع میں قیاسات کے مفید نہ ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وقوع حوادث کی صورت واحد دون آخر نہیں ہوتی۔ پس حضرت روح اللہ کے واقعہ کو قیاس محض سے واقعہ حضرت خلیل اللہ کا ہمرنگ بنانا جہالت وسفاہت ہے۔ کیونکہ صورت انجا اسی ایک طریق میں منحصر نہیں ہے کما لا یخفٰی علےٰ من لہ ادنےٰ تامل۔ دیگر یہ کہ ہمارا دینِ حق سماعی ہے قیاسی نہیں یعنے جو امر جسطرح قرآن و حدیث میں ہوا ہے اُسے اُسی طرح تسلیم کرتے ہیں اور اپنے قیاسات سخیفہ اور خیالات

ضعیفہ کو معطل سمجھتے ہیں۔ چونکہ قرآن مجید میں حضرت خلیل اللہ ؑ کا آگ میں پڑنا اور پھر سلامت رہنا ذکر کیا گیا ہے اسلیئے اس واقعہ کو اسی طرح مانتے ہیں۔ اور چونکہ حضرت روح اللہ علیہ السلام کا صلیب پر نہ چڑھایا جانا اور یہود کا آپ کو مس تک بھی نہ کر سکنا مذکور ہے اسلیئے اسی طرح یقین رکھتے ہیں۔ اپنے خیال وقیاس سے کچھ نہیں کہتے۔

حضرت خلیل اللہ کے واقعہ نار کی بابت سورۃ انبیاء میں فرمایا قلنا یانار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم واراد وابہ کیدا فجعلنٰھم الاخسرین اور سورت صافات میں الاسفلین فرمایا۔ سو ان آیات میں امر یانار کونی برداً وسلاماً علی ابراھیم مشعر اس امر کا ہے کہ آپ آگ میں ڈالے گئے تھے۔ کیونکہ امر یانار کونی برداً وسلاماً نہیں ہو سکتا جب تک آگ موجود نہ ہو اور علی ابراھیم صادق نہیں ہو سکتا جبتک حضرت ابراہیم علیہ السلام اسمیں واقع نہ ہوں۔ نیز یہ کہ کفار کو اخسرین اور اسفلین کر دینا فرمایا اور خاسرین و سافلین نہ فرمایا۔ کیونکہ اسم تفضیل میں اسم فاعل پر از روئے معنے زیادتی ہوتی ہے۔ جیساکہ اُسکے نام ہی سے ظاہر ہے۔ پس کفار الاخسرین یعنے سخت زیانکار اور الاسفلین یعنی نہایت پست اور ذلیل تب ہی ہو سکتے ہیں جب اپنا سارا زور بل لگا چکیں اور اپنے اسباب کو استعمال میں لا چکیں اور پھر اپنے ارادے میں ناکام رہیں۔ جیساکہ سورہ کہف کے اخیر آیت قل ھل ننبئکم بالاخسرین اعمالا الذین ضل سعیھم فی الحیٰوۃ الدنیا وھم یحسبون انھم یحسنون صنعاً سے ظاہر ہے کہ اخسر اسکو کہتے ہیں جسکی سعی اکارت جائے اور نیز یہی وجوہات مذکورہ اس امر کی موید ہیں کہ کفار کا کید حضرت خلیل اللہ ؑ کے خلاف صرف تدبیر تک ہی نہ رہا تھا۔ بلکہ صورت فعلیہ میں سرزد ہوتا اور پھر وہ اس میں ناکام رہے۔ بخلاف حضرت مسیح ؑ کے کہ کفار یہود کا مکر صورتِ فعلیہ میں صادر نہیں ہوا جیساکہ ومطھرک من الذین کفروا اور وما قتلوہ وما صلبوہ اور اذ کففت سے ظاہر ہے پ

سوال جب اللہ تعالیٰ اور رسولوں کو انہی اسباب ارضیہ سے اسی زمین میں مکائد کفار سے نجات دیتا رہا جیسے حضرت ابراہیم اور حضرت لوط کو ارض مقدسہ کیطرف اور اپنے حبیب کو مدینہ طیبہ میں ہجرت کرائی تو حضرت عیسیٰ کو کیوں آسمان پر اُٹھا لیا کیا زمین پر نہیں بچا سکتا تھا۔ **جواب** مصنف رسالہ جواب باصواب کو بھی یہی خبط ہوا ہے چنانچہ بڑے مبہوت ہو کر صفحہ ۱ میں یہی سوال کرتے ہیں اور زیر صفحہ ۱۳ کے حاشیہ میں فرماتے ہیں چونکہ آنحضرت صلعم کی اس محصوریت سے نجات اس عالم میں ارضی اسباب قدرتی تابعداتے ہو گئی تھی سو اسکا جواب بالتحقیق والتفصیل بل رفعه الله الیه کی تفسیر میں ذکر کیا جائیگا فانتظر ایہا الطالب المتدبر

کسر صلیب کی چوتھی آیت وجیہا فی الدنیا والآخرۃ + اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰ کو صفت وجیہا فی الدنیا والآخرۃ سے موصوف کیا اسلئے آپ مصلوب نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ مصلوبیت اس عالم دنیوی میں لحوق ذلت وخزی کا سبب ہے اور خزی وخذلان منافی وجاہت ہے جیسا کہ سورہ مائدہ میں بعد ذکر تصلیب وغیرہ کے ذلك لهم خزي في الدنيا فرمایا پس معاذ اللہ اگر حضرت روح اللہ صلیب پر لٹکائے جائیں تو رداء وجاہت مندنس ہو جاتی ہے خواہ صلیب سے زندہ اتارے جائیں کیونکہ لحوق خزی کیلئے مجرد صلیب پر لٹکایا جانا ہی کافی ہے موت بالصلیب ضروری نہیں وحاشا شان روح اللہ الوجیہ فی الدنیا والآخرۃ عن ذلک +

پس عقیدہ ملعونہ صلیبیہ بالکل مردود ہے۔ **سوال** حضرت مسیح اور آپکی والدہ ماجدہ کے شان میں یہود بے بہبود نے کیسے کیسے ناشائستہ کلمات کہے کیا یہ منافی وجاہت نہیں + **جواب**۔ جھوٹے طعن اور بہتان سے شان بری میں کوئی قدح واقع نہیں ہوتا کیونکہ اذی بالقول اور وجاہت میں منافاۃ نہیں کما قال اللہ فی شان کلیمہ فبرأه الله مما قالوا وكان عند الله وجيها (احزاب) پس جس طرح حضرت کلیم اللہ کو مضمون مقولہ یہود سے بری کیا اور آپ کی وجاہت میں کوئی نقص نہ آیا اسی طرح حضرت روح اللہ اور صفیۃ اللہ کو معجزہ تکلم فی المہد سے طعن یہود سے بری کیا۔ پس آپکی وجاہت میں بھی کوئی فرق نہیں آسکتا۔ فافہم وتدبر +

فصل ثانی

در اثباتِ حیات و رفعِ عیسے علیہ السلام

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی حیات اور رفع الی السماء بنصوص قطعیہ ثابت ہی چنانچہ پہلی آیت یہ ہے :- اذ قال اللہ یعیسے انی متوفیک ورافعک الی ومطہرک من الذین کفروا الآیہ + اس آیت معنونہ کا آیت متقدمہ سے ارتباط اس طرح ہے کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ کے مکر (تدبیر محکم) کا ذکر تھا اس آیت میں اس مکر کے وقت وقوع اور صورت وقوع کا ذکر کیا نیز یہ کہ پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت خیر الماکرین فرمائی تھی اس آیت میں اپنے مکر (تدبیر محکم وکامل) کی ایک مثال ذکر کی جو اسی قصہ کے متعلق تھی چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے اذ قال اللہ تم ظرف لخیر الماکرین او مکر اللہ" ۱۲ اسی طرح دیگر تفاسیر میں بھی ہے مثلاً بیضاوی - سراج منیر وغیرہ - غرض مفسرین کا اس امر پر اتفاق ہے کہ یہ آیت جملہ مکر اللہ کی تفسیر کرتی ہے اور واضح طور پر کیفیت اور صورت مکر یعنے تدبیر الٰہی کو بیان کرتی ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنی صفت خیر الماکرین فرمائی اسلئے لامحالہ اسکی تدبیر رسولِ برحق کے شان میں خیر ہونی چاہئے اور اعداء الرسول کے حق میں شر اور ظاہر ہے کہ کفار نابکار کے ناپاک ہاتھوں سے صلیب پر چڑھایا جانا رسولِ موید بالمعجزات کے شان میں خیر نہیں ہے - بلکہ رفع الی السماء خیر الخیرات واحسن التدبیرات میں سے ہے + وقوعِ مکر یعنی رفع الی السماء سے پیشتر یعیسے

انی متوفیک ورافعک الی الآیۃ کی یہ ضرورت تھی کہ چونکہ کفار نے حضرت عیسےٰ علیہ السلام کے قتل و صلب میں از حد کوششیں کیں اور آپسمیں منصوبے باندھے اور آپ کے منزل ہبط رحمتِ الٰہیہ کا محاصرہ کرلیا اسلئے ایسے نازک وقت میں تسلی کے لیئے بشارتِ تخلیص از مکرِ اعدا ضروری تھی کہ اے عیسیٰ میں ان کافروں کو ان کے مکر میں کامیاب نہ ہونے دونگا۔ بلکہ تجکو اپنی طرف پورا پورا اُٹھالونگا۔ ایسا کہ اُن کے ہاتھ میں تیرا ایک بال بھی نہ آئے چنانچہ تفسیر رحمانی میں ہے اذ قال اللّٰہ یعیسے اعلاما لہ بمکرہ بالاعدآء و تخلیصہ عن مکرھم ۱۲

تحقیق لفظ توفی - واضح ہو کہ لفظ توفی کی نسبت کادیانی کا یہ دعوے ہے کہ یہہ صرف موت اور قبض روح کے لئے موضوع ہے اور یہ امر اس کی علوم رسمیہ اور لیاقت علمیہ سے بالکل بے بہرہ اور عاری ہونے پر دلیل بین ہے۔ کیونکہ توفی وفا سے ماخوذ ہے۔ اور وفا کے معنے ہیں پورا کرنا۔ پس توفی جو باب تفعل ہے وفا سے اُس کے معنے یہ ہوئے اخذ الشیئ وافیًا یعنے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا چنانچہ تفسیر کبیر خازن جامع البیان۔ بیضاوی۔ السراج المنیر۔ ابی السعود۔ فتح البیان۔ ان سب تفاسیر میں اس امر کی تصریح موجود ہے۔ اور دیگر ابواب جو مادہ وفے سے آئے ہیں۔ ان سب میں بھی یہی معنے ملحوظ ہیں۔ چنانچہ نقشہ ذیل مشعر اس امر کا ہے :-

)	مادہ وفے سے مصدر	معنے مصدر	مثال اول	مثال ثانی	مثال ثالث
افعال	ایفاء	پورا کرنا۔ پورا دینا	اوفوا بعھدی اوف بعھدکم (ترجمہ) تم میرا عہد پورا کرو میں تمہارا عہد پورا کرونگا	اوفوا بالعقود عہدوں کو پورا کرو۔	اوفوا الکیل والمیزان (ترجمہ) ماپنے کا آلہ یعنی ٹوپہ اور گز اور ترازو پورا کرو یعنے پورا پورا تولکر اور ماپ کر دو

ثم توفی کل نفس ما کسبت (البقرہ) (ترجمہ) پھر ہر نفس کو اسکا کیا ہوا پورا پورا دیا جائیگا۔	وانما توفون اجورکم یوم القیمۃ آل عمران (ترجمہ) اور تم کو تمہارے اعمال کا بدلہ قیامت کے دن پورا پورا دیا جاوے گا	یوفیھم اجورھم (آل عمران) اسی آیت انی متوفیک سے آگے (ترجمہ) پس اللہ تعالیٰ انکو انکے اجر پورے پورے دیگا	پورا دینا	
اذا اکتالوا علی الناس یستوفون (تطفیف) جب لوگوں سے ماپ کر لیتے ہیں تو پورا لیتے ہیں			پورا پورا لینا	استیفاء
یعنے میں نے اُس سے اپنے درہم پورے پورے وصول پالئے یہ محاورہ تفسیر کبیر۔ خازن۔ سراج منیر میں موجود ہے۔			پورا پورا لے لینا	
استوفاہ و توفاہ استکملہ (اساس البلاغہ) (ترجمہ) استوفاہ اور توفاہ کے معنی یہ ہیں کہ اُسنے اُسے کامل اور پورا لے لیا			موافقت استیفاء یعنے کامل اور پورا لینا	
توفیت عدد القوم اذا عددتہم کلہم (لسان العرب) (سیف ص ۴۳)			پورا پورا گن لینا	
فلما توفاہ رسول الکری ودبت لعینان فی الجفن پس جب اسکو نیند کے ایلچی نے پورا پورا لے لیا الخ یعنے وہ سو گیا	اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا (زمر) (ترجمہ) [illegible]	وھو الذی یتوفکم بالیل (انعام) (ترجمہ) اور وہ اللہ ایسا ہے کہ پورا پورا لے لیتا ہے تمکو رات کو یعنے سلا دیتا ہے	(مجازاً) سلا دینا	
حتی یتوفھن الموت (النساء) حتی کہ انکو پورا کرے موت یعنے وہ مرجاویں	قل یتوفیکم ملک الموت (الم السجدہ) [illegible]	اللہ یتوفی الانفس حین موتہا (زمر) [illegible]	(مجازاً) مار لینا	

تنبیہہ } واضح ہو کہ توفی بمعنے موت مجازاً ہے نہ حقیقۃً و وضعاً جیسا کہ اساس البلاغۃ
میں ہے:- **ومن المجاز** ـــــ ....توفي فلانٌ وتوفاه اللہ وادرکتہ الوفاۃ

ائمہ لغت اور تفسیر بلا خلاف مادہ وفا کے باب تفعل و استفعال کو ہم معنے ذکر کرتے
ہیں چنانچہ علامہ فیومی مصباح میں فرماتے ہیں توفیتہ و استوفیتہ بمعنی ۱۲ اسی
طرح تفسیر کبیر اور تفسیر خازن اور تفسیر معالم میں بھی اُن کو ہم معنے ذکر کیا گیا ہے۔ اور
صراح اور قاموس میں بھی ایسا ہی بیان ہے اور اساس البلاغۃ زمخشری میں ہے واستوفاه
وتوفاه استکملہ ۱۲ **کادیانی** نے اپنے آئینہ وساوس کے صفحہ ۵۶۸ میں جہاں اُسنے اپنے
آپ کو **خدا** بنایا ہے استوفانی لکھا ہے اور اس جگہ فاعل اللہ تعالی ہے
اور مفعول خود کادیانی ذی روح۔ اور اس سے موت مراد نہیں ہے۔ پس کادیانی کا یہ
کہنا کہ لفظ توفی سوائے قبض روح کے کسی اور معنے میں مستعمل نہیں ہوتا۔ بالکل
غلط اور **مردود** ٹھیرا کیونکہ جب بتصریح ائمہ لغت و تفسیر ثابت ہو چکا
ہے کہ توفی اور استیفاء ہم معنے ہیں تو جس طرح استیفاء سوائے معنے موت کے
مستعمل ہوتا ہے اُسی طرح توفی کے سوائے معنے موت کے استعمال کو کون مانع ہے
خصوصاً جب محاورہ توفیت منہ دراھمی زبان عرب میں ذائع و شائع ہو +

پس جب ائمہ لغت و تفسیر بالاتفاق لکھتے ہیں کہ اس مادہ کے باب تفعل اور
استفعال کے معنے ایک ہی ہیں اور قرآن مجید اور لغت میں سے استیفاء کے معنے
پورا پورا لے لینا ثابت کیا گیا تو اب توفی کے معنے پورا پورا لے لینا کرنے میں
کیا تردد باقی رہا۔ علاوہ بریں جب علم اشتقاق و تصریف سے بھی واضح ہو گیا کہ
یہ لفظ توفی وفا کا مزید فیہ ہے۔ اور وفا کے معنے بحسب الوضع موت نہیں بلکہ پورا
کرنے کے ہیں تو پھر بھی باوجود اتنی تصریحات کے کوئی جاہل اپنی ضد نہ چھوڑے
اور بے تکی ہانکتا جائے کہ توفی موت اور قبض روح کے لئے موضوع ہے تو

کیا اس کی لیاقت علمی منی کے قابل نہیں ہوگی؟ باقی رہا یہ امر کہ یہ لفظ قرآن شریف
میں بمعنے موت مستعمل ہوا ہے سو ہم اس سے انکار نہیں کرتے۔ کیونکہ معنے مستعمل فیہ
اور معنے موضوع لہ میں فرق ہوتا ہے استعمال سے یہ لازم نہیں آتا کہ یہ لفظ وضع میں
موت کے لئے وضع کیا گیا تھا اور اسکے حقیقی معنے قبض روح کے ہیں جسقدر محاورات
میں لفظ توفی جن معنوں میں مستعمل ہوا ہے اگر کوئی مدعی علم و فضل ہم کو اسکے وضعی اور
حقیقی معنوں "پورا پورا لے لینا" سے باہر ثابت کر دیوے تو بیشک ہم اُسکے بے درم
غلام ہیں۔ اس لفظ کا اطلاق معنے موت پر بھی صرف اسلئے ہے کہ موت بھی ایک قسم
کی توفی یعنے پوری پوری گرفت ہوتی ہے۔ نہ اس اعتبار سے کہ یہ لفظ بمعنی موت موضوع
ہے۔ اسی طرح توفی کا اطلاق قرآن شریف میں نیند پر بھی آیا ہے یہ بھی اسی لئے ہے
کہ نیند بھی ایک قسم کی توفی یعنے پوری پوری گرفت ہوتی ہے اور عیسےٰ علیہ السلام
کے مقدمہ میں جو توفی کے معنے رفع الی السماء لئے جاتے ہیں تو اسی اعتبار سے کہ یہ
بھی ایک قسم کی توفی یعنے پوری پوری گرفت ہے اور قرض وصول کر لینے پر بھی اسکا
اطلاق محاورہ زبان عرب میں پایا گیا ہے وہ بھی اسی لحاظ سے کہ قرض پورا پورا
لے لیا جاتا ہے۔ الغرض توفی کے جسقدر محاورات و استعمالات ہیں خواہ وہ قرآن
مجید میں ہیں خواہ حدیث شریف میں خواہ دواوین عرب میں ان سب میں اسکے
وضعی اور حقیقی معنے اخذ الشئ وافیا یعنے کسی چیز کو پورا پورا لے لینا ہی ملحوظ ہیں
اور بس۔۔ اور ظاہر ہے کہ جس لفظ کے کئی معنے یا کئی استعمالات ہوں اسکو
ایک معنے میں معین کرنے کے لئے ضرور ضرور کوئی قرینہ موجود ہونا چاہئے کیونکہ
متکلم کی مراد ایک وقت میں اس لفظ سے ایک ہی ہے۔ پس توفی کے ساتھ
اگر موت اور اُس کے لوازمات کا ذکر ہوگا تو اُس کے معنے موت ہونگے اور
اگر نیند اور اُسکے مقتضیات مذکور ہونگے۔ تو توفی کے معنے سلا دینا ہونگے

اور اگر اس کے ساتھ ذکر رفع کا ہوگا تو اس سے مراد رفع ہوگا اور اگر اُسکے
ساتھ درہم دینار وغیرہ اشیاء کا ذکر ہوگا تو اسکے معنے انکا قبض کرنا ہونگے۔ اور
اگر اُس کے ساتھ عدد اور گنتی کا ذکر ہوگا تو اُس کے معنے پورا پورا گن لینا ہونگے

وجہ ثانی برائے اثبات جہالت کادیانی آیت سورہ زمر اللہ
یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا
الموت ویرسل الاخریٰ الی اجل مسمی الایۃ اور آیت سورہ انعام وھو الذی
یتوفٰکم باللیل ویعلم ما جرحتم بالنھار ثم یبعثکم فیہ لیقضیٰ اجل مسمی الایۃ
میں توفی کی دو نوعین موت اور منام مذکور ہوئی ہیں۔ توفی بالموت کی صورت
قبض روح مع الامساک ذکر کی گئی اور توفی بالنوم کی صورت قبض روح مع
الارسال بیان کی گئی پس قبض روح جو دونوں میں مشترک ہے جنس ہے اور
امساک اور ارسال فصل ہے (وھو الذی یمیز الشیئ عما یشارکہ فی الجنس)
پس بموجب مذہب کادیانی توفی صرف قبض روح کے لئے موضوع چاہیے
نہ موت اور قبض روح ہر دو کے لئے۔ کیونکہ ان دونوں میں نسبت عموم خصوص
ہے اور کوئی لفظ معنے اعم و اخص ہر دو کے لئے موضوع نہیں ہوتا۔

ثالثاً۔ اگر کادیانی صرف قبض روح ہی کو مدلول وضعی قرار دے تو یہ بھی
اس کی بے علمی و بے استعدادی پر دلیل ظاہر ہوگی کیونکہ توفی لفظ مفرد ہے
اور قبض روح مرکب زیرا کہ ثانی میں جزو لفظ جزو معنے پر دال ہے یعنے قبض
دال ہے اخذ پر اور روح دال ہے شئی مقبوض پر بخلاف اول کے کہ اسمیں
جزو لفظ جزو معنے پر دلالت نہیں کرتی لہذا لفظ توفی مفرد کا مدلول قبض روح
جو مرکب ہے درست نہیں اسی لئے سورہ زمر کی آیت میں صرف یتوفی نہیں
کہا بلکہ یتوفی الانفس کہا ہے تاکہ توفی دلالت کرے اخذ پر اور انفس کہ مدلول

اسکا ارواح ہے دلالت کرے شئی مقبوض پر اور بعد ترکیب کے معنے مرکب پیدا ہوں اگر توفی (مفرد) کے معنے قبض روح (مرکب) ہیں تو لفظ انفس کی کیا ضرورت تھی۔ پس ثابت ہوا کہ توفی کے حقیقی معنے مطلق قبض کے ہیں نہ قبض روح کے وھذا ھو المراد۔

رابعاً۔ کادیانی نے اپنے ازالہ کے صہ میں ایک اور امر ذکر کیا جس سے اُس کی اور جہالت ثابت ہوتی ہے۔ وہ امر یہ ہے کہ حقیقی معنوں کے لئے قرینہ کی ضرورت نہیں ہوتی اور مجازی معنوں کے لئے حاجت قرینہ کی ہوتی ہے اسلئے آیت سورہ انعام و زمر میں نیند مراد لینے کے لئے لیل اور منام قرائن مذکور ہوئے ہیں۔ ارے جاہل! جب تیری لغت میں توفی کے حقیقی معنے موت اور قبض روح ہیں تو پھر نیند مجاز کس طرح ہوگی؟ کیا نیند میں قبض روح نہیں ہوتی؟ ابھی کچھ دیر تک کتب بلاغۃ و اصول کسی سے پڑھ۔ اور بحث مجاز کا بیان خوب تحقیق سے سیکھ اور قطبی میں سے وجہ تسمیہ مجاز کا مسئلہ مطالعہ کر پھر اس میدان میں قدم اٹھا اور فی الحال اس شعر کو ورد زبان رکھ ؎

بجائے بزرگاں دلیری مکن — چو سر پنجہ ات نیست شیری مکن

خامساً بالفرض والتسلیم اگر مان بھی لیویں کہ توفی کے حقیقی معنے قبض روح ہیں تو پھر بھی آیت انی متوفیک و رافعک الی سے عیسےٰ علیہ السلام کی موت ثابت نہیں ہوسکتی کیونکہ جب قبض روح کی کیفیتیں دو ہیں ایک مع الامساک اور دوسری مع الارسال تو آیت انی متوفیک و رافعک الی میں توفی بقرینہ رافعک الی جو رفع جسمی پر روز روشن کی طرح دلالت کر رہی ہے۔ بمعنے نیند معین ہوگی کیونکہ منام اور رفع جسمی میں منافاۃ نہیں اور ان میں جمع ممکن ہے جیسا کہ ایک جماعۃ مفسرین علیہم الرحمۃ اس طرف بھی گئی ہے۔ چنانچہ تفسیر خازن

میں ہے (الثانی) المراد بالتوفی النوم ومنه قوله تم اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فجعل النوم وفاة وکان عیسیٰ قد نام فرفعه اللّٰہ وھو نائم لئلا یلحقه خوف (تفسیر خازن) اور اسی طرح دیگر تفاسیر مثل درمنثور - ابن کثیر - فتح البیان - معالم - کبیر میں بھی اس امر کی تصریح موجود ہے

پس اب تو کادیانی کا سارا تانا بانا ٹوٹ گیا اور اُس کے ہاتھوں میں سوائے مکر و فریب و تاویلات باطلہ اور تحریفات کاسدہ کے اور کچھ نہ رہا کیونکہ صاف ثابت ہو گیا کہ توفی کے معنے اخذ الشئ وافیاً ہیں - اسپر زیادہ بالنظر الی المتعلق والقرائن کی جائیگی نہ بحسب الوضع - پس توفی کا متعلق یا تو صرف جسم ہوگا - یا صرف روح یا جسم مع روح - پھر اگر روح ہے تو یا تو مقبوض مع الامساک ہوگا اُسے موت کہینگے یا مع الارسال اُسے منام (نیند) بولینگے - ان ہر دو میں دو دو امر علاوہ مفہوم توفی کے اعتبار کیے گئے - موت میں روح اور امساک - اور منام میں روح اور ارسال - پس مرکب معانی کے لئے ترکیب الفاظ بھی ضروری ہے لہذا اس ترکیب کے لئے ضروری ہوا کہ متعلق توفی اور قرائن کی طرف نظر کی جاوے -

قبض روح مع الامساک اور قبض روح مع الارسال کی مثال آیت سورہ زمر اللّٰہ یتوفی الانفس حین موتھا والتی لم تمت فی منامھا فیمسک التی قضی علیھا الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمےٰ الایہ ہے اس آیت میں ہر مدلول کے لئے ایک دال مذکور ہے یعنے قبض کے لئے یتوفی اور روح کے لئے الانفس اور امساک کے لئے یمسک اور ارسال کے یرسل +

صرف قبض جسم کی مثال محاورہ عرب شائعہ فی اللسان مندرجہ تفسیر کبیر و خازن وغیرہ توفیت منه دراھمی قبض جسم مع روح یعنے زندہ چیز کو اخذ

کرنے کی مثال آیات انی متوفیک ورافعک الی اور فلما توفیتنی تعریض

رافعک الیہ اور بل رفعہ اللہ الیہ۔ فافہم وتدبر +

سوال۔ بیشک علم تصریف اور علمی تحقیق سے ثابت ہوگیا کہ توفی کے معنے پورا پورا لے لینا ہے لیکن لغت کی بعض کتابوں میں جو توفی بمعنے موت لکھا ہے اس کا کیا جواب ہے +

جواب۔ کتب لغت میں حقیقی منقولی۔ اور مجازی ہر طرح کے معنے لکھے ہوتے ہیں مگر ان کی تعیین حسب قرائن حالیہ ومقالیہ سلسلہ عبارت سے مفہوم ہوتی ہے۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ ابتدا میں لفظ جس معنے کے لئے وضع کیا گیا تھا اُسے اُسکے حقیقی اور وضعی معنے کہتے ہیں۔ پھر یا تو لفظ کا ایک ہی معنے ہوگا یا زیادہ۔ پھر زیادہ یا تو بحسب الوضع ہونگے اُسے مشترک کہتے ہیں مثلاً عین جو بمعنے زر۔ زانو چشمہ آب اور آنکھ ہے یا وضع میں تو ایک معنے تھا مگر اسکے مفہوم میں کئی چیزیں پائی گئیں اسے جنس کہتے ہیں اور ہر اس چیز کو جسپر اسکا اطلاق ہوسکتا ہے اس کی نوع کہتے ہیں۔ مثلاً حیوان کہ جنس ہے اور گھوڑا اور گدھا اسکی انواع ہیں صرف اس اعتبار سے کہ وہ جاندار ہیں اسلئے کہ حیوان بحسب الوضع ان سب کے لئے موضوع ہے۔ اور یا کثرت بہ سبب دیگر معانی میں منقول ہونے کے ہوگی۔ پھر اگر عرف عام نے نقل کیا ہے تو اُسی منقول عرفی کہتے ہیں مثلاً دابہ کہ اصل میں موضوع ہے واسطے ہر جاندار کے جو زمین پر چلے اور غالب معنے اسکے سواری کے جانور ہیں اور اگر اسکی ناقل شرع ہے تو اُسے منقول شرعی کہتے ہیں۔ مثلاً صوم وصلوٰۃ وزکوٰۃ وحج کہ لغت میں اُنکے وضعی معنے اور ہیں۔ مگر شریعت میں یہ الفاظ اور معانی میں مخصوص ہیں + اور اگر اسکا ناقل کوئی خاص طائفہ ہے تو اُسے منقول اصطلاحی کہینگے مثلاً مصطلحات علمیہ + اب ظاہر ہے

کہ توفی بحسب الوضع بمعنے موت موضوع نہیں کیونکہ اسکا ماخذ و مادہ وفا ہے
اور نہ یہہ لفظ مشترک المعنے ہے کہ اس کے معانی متعددہ میں سے ایک موت بھی ہو اور
نہ منقول شرعی ہے کیونکہ ایسے الفاظ میں تصرف کرنے سے شریعت کو کچھ تعلق نہیں
اور نہ منقول اصطلاحی ہے کیونکہ یہ کسی علم اور فن کی اصطلاح نہیں۔ اگر ہے تو یہی کہ یہ لفظ
بروئے علم اشتقاق وفا سے ماخوذ ہے اور اُس کے حقیقی اور وضعی معنے اخذ الشئی
وافیًا یعنی کسی چیز کو پورا پورا پکڑ لینا ہیں اور چونکہ اس کے مفہوم میں رفع اور موت اور
نیند بھی داخل ہیں۔ کیونکہ یہ بھی پوری پوری گرفت ہیں اسلئے اس لفظ کا اطلاق رفع
اور موت اور نیند پر بھی درست ہوگا۔ صرف اس اعتبار سے کہ توفی جنس ہے
اور رفع اور موت اور نوم اس کی انواع۔ نہ اسلئے کہ یہ لفظ بحسب الوضع موت کی
لئے موضوع ہے۔ توفی کے جنس اور رفع اور موت اور نیند کے انواع ہونے پر
تفاسیر معتبرہ شاہد ہیں۔ چنانچہ تفسیر کبیر میں امام رازی ؒ فرماتے ہیں :۔

قوله انی متوفیک یدل علی حصول التوفی وهو جنس تحته انواع
بعضها بالموت وبعضها بالاصعاد الی السماء فلما قال بعده ورافعك
الی کان هذا تعیینًا للنوع ولم یکن تکرارا ۔ اسی طرح تفسیر
بیضاوی و سراج منیر میں بذیل آیت فلما توفیتنی لکھا ہے :۔

توفیتنی بالرفع الی السماء بقوله تعالی انی متوفیك ورافعك الی والتوفی
اخذ الشئی وافیًا والموت نوع منه قال الله تعالی الله یتوفی الانفس حین
موتها والتی لم تمت فی منامها (بیضاوی والسراج المنیر) حاصل مطلب یہہ کہ
لفظ توفی بحسب الوضع موت کے لئے موضوع نہیں ہے صرف اسکا استعمال
اس نسبت سے جو جنس اور نوع میں ہوا کرتی ہے یعنی موت ہے اور بس۔ اور چونکہ
تعیین نوع کے لئے حاجت قرینہ کی پڑا کرتی ہے لہذا سلسلہ عبارت میں قرائن

حالیہ و مقالیہ پر نظر کرینگے۔ جیسے عین کہ یہ موضوع ہے معانی متعددہ مثل زر چشم زانو چشمہ آب کے لئے تو اب ہر جگہ اسکا ایک ہی معنی نہ ہوگا۔ اور نہ ایک جگہ سارے معنی مراد ہونگے بلکہ حسب حال مضمون عبارت و الفاظ عبارت جس معنی کو اس جگہ مناسبت ہوگی وہ اس جگہ معین ہو جائیگا چنانچہ آیت فانفجرت منہ اثنتا عشرۃ عینا میں عین کے معنی چشمہ آب ہیں کیونکہ اس جگہ استسقا یعنی طلب آب اور انفجار یعنی پانی کا پھوٹ پڑنا اور مشرب یعنی پانی کی گھاٹ کا ذکر ہے ان قرائن حالیہ و مقالیہ نے اسے اس جگہ چشمہ آب کے معنوں میں کر دیا اور آیت فی عین حمئۃ میں قرینہ حمئۃ نے اس سے چشمہ آب مراد ہونے پر دلالت کی اور آیت ام لہم اعین یبصرون بہا وامثالہا میں قرینہ بصارت نے جارحہ یعنی آنکھ پر دلالت کی۔ اسی طرح جنس کو اس کی کسی نوع میں معین کرنیکے لئے حاجت قرینہ کی ہوتی ہے ورنہ مضمون و مفہوم میں خلل پڑتا ہے۔ پس چونکہ انی متوفیک کو ورافعک الی کے ساتھ ضم کیا اسلئے عیسیٰ علیہ السلام کی توفی بالرفع الی السماء ہوئی۔ مزید تفصیل لفظ توفی کی اسوقت کی جائیگی جب آیاتِ قرآنیہ جن میں لفظ توفی کے مشتقات آئے ہیں انکا ایک نقشہ کھینچ کر ہر ایک کے ساتھ اس کے قرینہ صارفہ کا ذکر کیا جائیگا اور وہ عنقریب آئیگا انشاء اللہ تعالیٰ کیسی لفظ کے کسی معنی میں زیادہ مستعمل ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ یہ اُن معنوں سے مخصوص ہوگیا ہے اور اُسکے دیگر معانی و اطلاقات متروک و مہجور ہو گئے ہیں مثلاً قاموس میں دابّہ کی نسبت لکھا ہے۔ کہ

والدابۃ مادب من الحیوان وغلب علی ما یرکب (قاموس)	دابہ اصل میں ہر جاندار چیز کو کہتے ہیں جو زمین پر چلے اور غالب استعمال اسکا

سواری والے جانوروں پر ہوتا ہے۔ تو قاموس کے اس لکھنے سے آیت

وما من دابة فی الارض الا علے الله رزقہا کے معنے یہ نہ ہونگے کہ اللہ تعالیٰ صرف
سواری کے جانوروں کا رازق ہے - بلکہ یہ لفظ اپنے اصلی وسیع معنوں میں لیا
جائیگا کہ جو چیز زمین پر حرکت کرنیوالی ہے ان سب کا رزق حسب وعدہ اللہ تعالیٰ
کے ذمے ہی - اسی طرح اگر کتب لغت میں توفی کا استعمال بمعنے موت لکھا ہوا ہے
تو اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ یہ لفظ انہی معنوں کے لئے موضوع ہے یا انہی
معنوں میں محصور ہے بلکہ کتب لغت میں ہر قسم کے معانی وضعی - مجازی اور
منقولی خواہ منقول شرعی ہوں خواہ عرفی خواہ اصطلاحی سب لکھے ہوتے ہیں -
اُن میں سے کسی خاص مقام پر معانی مخصوصہ کا چسپان ہونا سلسلہ عبارت اور قرائن
حالیہ ومقالیہ پر موقوف ہے اور یہ ضروری نہیں کہ جملہ قرائن کتب لغت میں مصرح ہوں کیونکہ
قرائن محصور نہیں ہوسکتے بلکہ حسب مقام سلسلہ عبارت ومفہوم کلام میں قرائن مختلف
ہوتے ہیں چنانچہ حصول المامول میں ہے - ولا یشترط النقل فی احاد المجاز
بل العلاقة کافیة والمعتبر نوعها والیه ذهب الجمهور وهو الحق
ولم یأت من اشترط ذلک بحجة یصلح لذکرها وتستدعی التعرض
لدفعها وکل من له علم وفهم یعلم ان اهل العربیة مازالوا یخترعون
المجازات عند وجود العلاقة ونصب القرینة وهکذا من جاء
بعدهم من اهل البلاغة فی فنی النظم والنثر ویتمادحون باختراع
الشئی الغریب من المجازات عند وجود المصحح للتجوز انتہے - حاصل اس تقریر
کا یہ ہوا کہ جس جگہ توفی کے ساتھ موت اور اُس کے لوازمات کا ذکر ہو اس جگہ توفی
کی تعیین نوع موت میں ہوگی اور جہاں نیند اور اُس کے مقتضیات موجود ہونگے
وہاں اس کی تعیین نوع نوم میں ہوگی اور جس مقام پر قرینہ رفع مذکور ہو اس جگہ
یہ لفظ نوع رفع میں معین ہوگا - جیسا کہ عنقریب نقشہ آیات توفی سے ظاہر ہوگا انشاء

غرض کتب لغت میں توفی بمعنے موت لکھا ہوا ہونے سے یہ ثابت نہیں ہوسکتا کہ یہ لفظ موت کے لئے موضوع ہے کیونکہ علم تصریف اس کا برملا ابا کر رہا ہے اور نہ یہ ثابت ہوسکتا ہے کہ یہ لفظ اپنے اصلی معنوں سے ہٹ کر بمعنے موت مخصوص ہوگیا ہے کیونکہ اہل لغۃ کا اس کو مجاز لکھنا اسکا ظاہراً انکار کر رہا ہے چنانچہ تاج العروس شرح قاموس میں ہے ومن المجاز ادرکتہ الوفاۃ اي الموت والمنیتہ وتوفی فلان اذا مات وتوفاہ اللہ عز وجل اذا قبض روحہ (سیف)

اور اسی طرح اساس البلاغۃ زمخشری میں لکھا ہے **ومن المجاز** توفی فلان وتوفاہ اللہ وادرکتہ الوفاۃ ۱۲ - اور مجاز بولنا تب ہی درست ہے جب حقیقی معنے متروک نہ ہوں چنانچہ قطبی میں بعد تقسیم لفظ باعتبار معانی جو اوپر گذر چکی ہے یہ لکھا ہے کہ اگر معنے اول متروک نہوں بلکہ اُن میں بھی اُس لفظ کا استعمال ہو تو اُسے حقیقۃ کہتے ہیں اگر پہلے معنوں میں مستعمل ہو اور وہ معنے **منقول عنہ** ہے اور اگر دوسرے معنوں میں مستعمل ہو تو اُسے مجاز کہتے ہیں اور وہ معنے **منقول الیہ** ہے +

وان لم یترك الاول بل یستعمل فیہ ایضاً سمے حقیقۃ ان استعمل فی الاول وھو المنقول عنہ ومجازان استعمل فی الثانی وھو المنقول الیہ -

ائمہ **لغت** کے توفی کو مجازاً بمعنے موت لکھنے سے صاف ثابت ہوگیا کہ توفی کے اپنے وضعی معنے اخذ الشئ وافیا متروک نہ ہونگے - آسان طریق جو جلدی راہ راست پر لاوے وہ یہ ہے کہ توفی کو کتب لغۃ سے تلاش کرو - اگر یہ لفظ وفا کے ضمن میں مذکور ہو تو اُسے وفا سے ماخوذ سمجھو ورنہ نہیں اور پھر جملہ تصریفات وفا پر نظر کرو تو صاف معلوم ہوجائیگا کہ اسکے معنے پورا کرنیکے ہیں اور جو معنے مجازی ہونگے وہ باعتبار اُس علاقہ کے ہونگے جو حقیقۃ اور مجاز میں ضروری ہے جیسا کہ

حصول المامول میں ہے:۔لابد من العلاقۃ فی کل مجاز فی ما بینہ وبین الحقیقۃ والعلاقۃ ھی اتصال المعنی المستعمل فیہ بالموضوع لہ (حصول)

اور چونکہ علاقات واتصالات معنی مستعمل فیہ اور موضوع لہ میں حسب اقتضاء مقام مختلف ہوتے ہیں اسلئے اُن کی تقریر کتب لغت میں ضروری نہیں چنانچہ حصول المامول سے گزرچکا ہے کہ علاقات مقتضیہ مجاز کے لئے ضروری نہیں کہ وہ کسی کتاب میں مذکور ہوں بلکہ وہ علاقہ جس سے معنی مستعمل فیہ اور موضوع لہ میں نسبت پیدا ہوسکے کافی ہے۔ پس کتب لغت میں سے وضعی اور منقولی اور مجازی معنی میں تمیز کرنے کے لئے اُن قواعد کا جاننا ضروری ہے جن پر اُن کی سمجھ موقوف ہے..... فافہم

پہلے ثابت ہوچکا ہے کہ توفی کے معنے اخذ الشئ وافیاً ہیں اور یہ بھی محقق ہوچکا ہے کہ توفی جنس ہے اور رفع اور موت اور نیند اسکی انواع ہیں اور یہ بھی مذکور ہوچکا ہے کہ تعیین نوع کے لئے وجود قرینہ یا تعذر حقیقۃ کا ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ بغیر اسکے متکلم کی مراد فی معنےدون آخر معین نہیں ہوسکتی۔ لہذا قرآن شریف کی وہ سب آیات جن میں مشتقات توفی (باب تفعل) وارد ہوئے ہیں لکھ کر ناظرین کے پیش کرتے ہیں اور ساتھ قرائن صارفہ پر بھی اشارات کرتے جاتے ہیں۔

نمبر رکوع	آیت	بیان قرینہ وخیانت کادیانی
بقر۔ع ۳۰ ع ۳۱	والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا یتربصن بانفسهن اربعۃ اشهر وعشرا والذین یتوفون منکم ویذرون ازواجا وصیۃ لازواجهم متاعا الی الحول غیر اخراج	ان ہر دو آیات میں عورتیں بیوہ چھوڑ جانا اور عدت حالت بیوگی اور وصیۃ قرائن صریحہ صارفہ موجود ہیں کادیانی نے ان آیات کو نقل کرنے میں یہ خیانت کی ہے کہ صرف الفاظ یتوفون منکم نقل کئے ہیں اور عبارت ماقبل ومابعد کو نہیں لکھا جس سے اسکا مقصود مسلمانوں کو روز روشن

سورۃ و رکوع	آیت	بیان قرینہ وخیانت کا دیانی
		میں قرآن شریف میں دہوکا دینا ظاہر ہے +
النساء ع۳	حتی یتوفٰہن الموت	ان نو آیات میں صراحۃً موت اور ملائکہ موت
،، ع۱۴	ان الذین توفٰہم الملائکۃ	اور تعذیب کفار بوقتِ نزعِ جان اور سلام بر
،،	ظالمی انفسہم	مومنین قرائن واضحہ ہیں توفی سے موت مراد
انعام ع	حتی اذا جاء احدکم	لینے پر۔ جان کندن کے وقت جو عذاب کفار و
،،	الموت توفتہ رسلنا	فساق کو ہوتا ہے اس کی کیفیت ان آیات
اعراف ع	حتی اذا جاءتہم رسلنا	میں ضرب وجوہ وادبار آئی ہے اور ایسا ہی جو
،،	یتوفونہم	بشارت مومنوں کو اسوقت ہوتی ہے۔ اُس کی
انفال ع	ولو تری اذ یتوفی الذین	حقیقت سلام اور تطییب اور بشارتِ دخولِ
،،	کفروا الملائکۃ یضربون	جنت ہے اسی طرح ایک طویل حدیث جو بتخریج
،،	وجوہہم وادبارہم	امام احمد رح مشکوٰۃ میں موجود ہے اسمیں انقطاع
محمد ع	فکیف اذا توفتہم الملئکۃ	من الدنیا واقبال من الآخرۃ اور قبضِ جانِ فجر
،،	یضربون وجوہہم وادبارہم	کفار اور بشارتِ مومنین اور ملک الموت اور
نحل ع۴	الذین تتوفٰہم الملائکۃ	دفن اور سوالات قبر بہ تفصیل مذکور ہیں جن سے
	ظالمی انفسہم	صاف ثابت ہوتا ہے کہ توفی ملائکہ کی طرف منسوب
،،	الذین تتوفٰہم الملائکۃ طیبین یقولون	ہونے کے وقت جان کو قبض کرنا مراد ہوتا ہے
	سلام علیکم ادخلوا الجنۃ	پس چونکہ ان آیات میں کسی میں بالصراحۃ لفظ
الم سجدہ ع	قل یتوفٰکم ملک الموت	موت موجود ہے اور کسی میں ملک الموت اور
		کسی میں ملائکہ معذبین اور کسی میں ملائکہ مبشرین
		کا ذکر ہے تو اب یہہ سب قرائن ہیں توفی کو معنے

سورۃ ورکوع	آیت	بیان قرینہ وخیانت کادیانی
		موت لینے پر۔ کادیانی نے ان آیات میں سے پہلی آیت میں بجائے لفظ حتّی کے تّہ لکھا ہے۔ یہہ تحریف لفظی ہے اور ساتویں آیت اور آٹھویں آیت کا حوالہ سورہ نمل میں لکھدیا حالانکہ سورہ نمل میں لفظ توفی کہیں نہیں ہے یہ آیت سورہ نحل کی ہے اور پانچویں آیت کو سورہ توبہ میں بتلایا حالانکہ سورہ توبہ میں بھی لفظ توفی کہیں نہیں آیا بلکہ یہ آیت سورہ انفال کی ہے اللّٰھم الا ان یجعل الشویتین شیٔ واحدۃ اور علاوہ برین صرف لفظ یتوفی ہی لکھا ہے اور اسکے آگے جو لفظ الملائکۃ قرینہ تھا اُس کو چھپا کر اپنا اُلو سیدہا کرنا چاہا ہے مگر چونکہ اللہ تعالے اپنے کلام پاک کا خود حافظ ہے اسلیئے اسمیں کسی دھوکہ باز کا دھوکا چل نہیں سکتا +
یونس ع۵ " رعد ع۶ " مومن ع۸ "	واما نرینک بعض الذی نعدہم او نتوفینک واما نرینک بعض الذی نعدہم او نتوفینک فاما نرینک بعض الذی نعدہم او نتوفینک	یہ سب آئتیں پیغمبر صلعم کے شان میں ہیں اور چونکہ ان آیات کی تفسیر سورۃ زخرف میں بالفاظ فاما نذہبن بک فانا منہم منتقمون او نرینک الذی وعدنہم فانا علیہم مقتدرون وارد ہوئی ہے اسلئے ان سب آیات میں توفی سے مراد موت لی جائیگی کیونکہ نذہبن بک کنایہ ہی

سورۃ ورکوع	آیت	بیان قرینہ وخیانت وجہالت کادیانی
		فنا ہے جیسا کہ آیت ذھب اللہ بنورہم میں ذہاب بالنور سے مراد اس کا ازالہ ہے نیز یہ کہ ان آیات میں نتوفینک کا مقابلہ نرینک کر واقع ہونا موت مراد لینے کے لئے قوی قرینہ موجود ہے کیونکہ وعدہ نرینک زندگی چاہتا ہے اور اسکے خلاف نتوفینک ضرور اس کی ضد ہونی چاہئے اور وہ موت ہے - انما تعرف الاشیاء باضدادہا
نحل ع ۹ ″ ″ حج ع ۱	واللہ خلقکم ثم یتوفاکم ومنکم من یرد الی ارذل العمر لکی لا یعلم بعد علم شیئاً یاایھا الناس ان کنتم فی ریب من البعث فانا خلقناکم من تراب ثم من نطفۃ ثم من علقۃ ثم من مضغۃ مخلقۃ وغیر مخلقۃ لنبین لکم ونقر فی الارحام مانشاء الی اجل مسمی ثم نخرجکم طفلا ثم لتبلغوا اشدکم ومنکم من یتوفی ومنکم من یرد الی ارذل العمر لکیلا یعلم من بعد	ان آیات میں بھی کادیانی نے ماقبل ومابعد کی عبارات جو قرائن قویہ ہیں نہیں لکھیں اور مسلمانوں کو دہوکا دینا چاہا ہے - سو واضح ہو کہ ان آیات کی تفسیر سورہ مومنون میں بدیں الفاظ وارد ہے :- ولقد خلقنا الانسان من سللۃ من طین ثم جعلنٰہ نطفۃ فی قرار مکین ثم خلقنا النطفۃ علقۃ فخلقنا العلقۃ مضغۃ فخلقنا المضغۃ عظاما فکسونا العظام لحما ثم انشأنٰہ خلقا اٰخر فتبارک اللہ احسن الخالقین ثم انکم بعد ذٰلک لمیتون + ناظرین خیال فرما سکتے ہیں کہ ان آیات حوالہ میں جس جس جگہ لفظ توفی آیا ہے - اُس جگہ سورہ مومنون میں لفظ میتون وارد ہے تو اب صاف معلوم

سورۃ و رکوع	آیت	بیان قرینہ وخیانت وجہالت کا دیانی
	علم شیئا	ہوا کہ یہ آیت اس توفی کی تفسیر موت سے کرتی ہے
مومن	ھو الذی خلقکم من تراب	علاوہ بریں یہ کہ قبل پیدائش سے بعد موت تک
ع ۷	ثم من نطفۃ ثم من علقۃ	جسقدر انتقالات و استحالات انسان پر وارد
"	ثم یخرجکم طفلا	ہوتے ہیں ان آیات میں ان کا بالتفصیل ذکر ہے
"	ثم لتبلغوا اشدکم	مثلاً پہلے مٹی۔ پھر نطفہ۔ پھر علقہ۔ پھر گوشت کا ٹکڑا
"	ثم لتکونوا شیوخا	پھر ہڈی کا پہنانا۔ پھر طفل ہوکر پیدا ہونا۔ پھر بڑھنا
"	ومنکم من یتوفی من قبل	اور جوان ہونا اور بوڑھا ہونا اور پھر اجل مقرر تک پہنچ
"	ولتبلغوا اجلا مسمے۔	کر مرنا۔ تو یہ سب حالات قرائن قویہ ہیں کہ اس
		جگہ توفی سے مراد موت ہی ہے۔ لہذا یہ آیات بھی قرینہ
		سے خالی نہیں۔ پچھلی آیت میں ایک اور نکتہ
		ہے کہ چونکہ جملہ معللہ لتبلغوا اشدکم کا عطف جملہ خبریہ
		یخرجکم پر نہیں ہو سکتا۔ اسلئے لامحالہ یبقیکم مقدر
		نکالنا پڑیگا (دیکھو تفسیر جامع البیان تحت آیت ہذا)
		لہذا القا کے مقابلہ میں جو توفی ہوگی مراد اس سے
		فنا یعنے موت ہوگی
آل عمران	ربنا اغفر لنا ذنوبنا وکفر	ان آیات میں قرینہ صارفہ موجود ہے اور وہ دعائے
ع ۲۰	عنا سیاٰتنا وتوفنا مع الابرار	لحوق بالصالحین و الابرار ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ کنایہ
اعراف ع ۱۴	وتوفنا مسلمین	ہیں موت سے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے کہ فرمایا
یوسف	توفنی مسلما والحقنی	رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اولکن لحوقا
ع ۱۱	بالصالحین	بی اطولکن یدا۔ اور نیز صحیح بخاری میں ہی ہے کہ

سورت و رکوع	آئت	بیان قرینہ وخیانت وجہالت کا دیانی
انعام ع	وهو الذی یتوفکم باللیل ویعلم ما جرحتم بالنهار ثم یبعثکم فیه لیقضی اجل مسمی	کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مرض الموت میں مع الذین انعم اللہ علیہم الآیۃ پڑھا اور نیز اللّٰھم اغفرلی وارحمنی والحقنی بالرفیق اور نیز آخر کلمہ آپ کا اللّٰھم الرفیق الاعلیٰ تھا۔ ان سب احادیث سے ثابت ہوا کہ دعاے لحوق بالصالحین والابرار والرفیق الاعلے سے موت بخاتمہ حسنہ مراد ہوتی ہے لہذا یہ آیات بھی قرینہ سے خالی نہیں +
زمر ع۵	اللہ یتوفی الانفس حین موتها والتی لم تمت فی منامها فیمسک التی قضی علیها الموت ویرسل الاخری الی اجل مسمی	ان آئیتوں میں بھی قرائن موجود ہیں پہلی آئیت میں توفی سے مراد نیند ہے کیونکہ قرینہ لیل (رات) موجود ہے اور پھر ساتھ ہی پھر دن کو اٹھ کھڑے ہونے اور کام کاج کرنیکا ذکر ہے۔ جس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مراد اُس توفی سے جو رات کیوقت ہوا اور پھر اسکے بعد دن کو اٹھ کھڑے ہوں نیند ہے + اسی طرح دوسری آئیت میں پہلے موقع پر توفی سے مراد موت ہے بقرینہ حین موتہا اور دوسرے پر مراد اُس سے نیند ہے بقرینہ فی منامہا اس پچھلی آئیت میں ایک اور نکتہ ہے کہ جس نفس کی توفی بالموت ہوتی ہے اُسکے لئے اللہ تعالیٰ نے فیمسک التی قضی علیہا الموت فرمایا جس سے معلوم ہوا کہ توفی کے وضعی معنی صرف اخذ الشئ وافیا ہیں کیونکہ امساک سے مراد انقار ہے اسی حالت ماخوذہ پر نہ تجدد۔ اور اسی لئے قضا ربالموت کی تصریح ضروری ہوئی۔ اس آئیت کی دوسری شق میں جہاں توفی سے مراد نیند ہے علاوہ قرینہ فی منامہا کے یرسل الاخری الی اجل مسمی قرینہ ہے توفی سے نیند مراد لینے پر

سورت رکوع	آئیت	بیان قرینہ وخیانت وجہالت کادیانی
		کیونکہ اسکے معنی وہی ہیں جو پہلی آئیت سورت انعام میں ثم یبعثکم فیہ لیقضی اجل مسمی کے ہیں۔ غرض ان آیات میں حسب قرائین لیل ومنام ولبعثہ فی النہار (دن کو اُٹھ کھڑا ہونا) توفی سے مراد نیند ہے۔ اور یہہ توفی کی دوسری نوع ہے گذشتہ آیات میں توفی کی ایک نوع موت آئی تھی بقرائنِ موجبہ معنے موت اور اس جگہ بقرائن موجبہ معنی نیند توفی کی دوسری نوع نیند ثابت ہوئی کیا اب بھی توفی کے جنس اور موت اور نیند کے انواع ہونیمیں شک باقی رہگیا ہے کسی منصف پاک باطن کو بعد اس تحقیقات کی ہرگز شک باقی نہیں رہتا۔ ہاں کور باطن تعصب وتعسف کے گڑھے میں گرنیوالوں اور گندی نالیوں سے چونچیں بھرنیوالوں کا کوئی علاج نہیں ہے۔ تنبیہہ۔ واضح ہو کہ نیند کے موقع پر قبض روح کا لفظ بولنے سے کسی کو یہ دھوکہ نہ لگ جاوے کہ نیند موت ہوتی ہے بلکہ موت کی نفی کے لئے اسی آئیت سورہ زمر میں والتی لم تمت موجود ہے کادیانی اس آئیت میں لفظ لم تمت چھوڑ گیا ہے تاکہ کسی کو یہ خبر نہ ہوجائے کہ نفس نائمہ کا حکم لم تمت ہے اور حدیث شریف میں جو احیانا بعد ما اماتنا آیا ہے وہ اس آئیت کے معارض نہیں۔ کیونکہ قرآن شریف میں نفی حقیقۃ موت کی کی گئی ہے اور حدیث میں نیند کو موت مجازاً کہا گیا ہے بموجب اُس تحقیق کے جو ہمنے ذکر کی نہ مطابق زعم کادیانی کے +

سورت و رکوع	آیت	بیان قرینہ وخیانت وجہالت کا دیانی
یونس ع ۱۱	ولکن اعبد اللہ الذی یتوفیکم	مراد اس پارہ آیت سے یہ ہو کہ میں تو اپنا معبود صرف اُس ذات برحق کو بناتا ہوں جسکو قبضہ و اختیار میں تمہارا ایجاد و ابقا اور اعدام وافنا اور اعادہ وارجاع ہے۔ جیساکہ آیت کیف تکفرون باللہ وکنتم امواتا فاحیاکم ثم یمیتکم ثم یحییکم ثم الیہ ترجعون و امثالہا سے ظاہر ہے اور صرف اعدام و افنار کے ذکر پر اکتفا کی یہ وجہ ہے کہ علوم عقلیہ میں ثابت شدہ ہو کہ ذکر احد الضدین کا استلزاما ضد آخر پر دلالت کرتا ہے جیسے نور کہ اس کے ذکر سے اسکی ضد ظلمت کا بھی تصور حاصل ہوتا ہے اور اسی طرح سواد سے بیاض + پس اسی طرح ذکر اعدام استلزاما ایجاد کا بھی مشعر ہو۔ قرآن شریف میں اسکی نظائر بہت ہیں دیکھو تفسیر کبیر وکشاف وابی السعود تحت آیت سرابیل تقیکم الحر کہ مجرد حر کے ذکر سے اسکی ضد برد معلوم ہوسکتی ہے اور نیز فتح الباری شرح صحیح بخاری باب ذکر الملائکہ تحت ثم یعرج الیہ الذین باتو فیکم کہ اس سے الذین ظلوا پر بھی دلالت ہوسکتی ہے۔ پس ثانی کو استغنا حذف کیا لان ذکر احد الضدین تنبیہ علی الضد الاخر۔ نیز اس لئے کہ تحقق افنار و اعدام بغیر تحقق ایجاد کے متصور نہیں ہوسکتا پس جو توفی بمقابلہ ایجاد مذکور ہو لابد اُس سے مراد اعدام ہوگی وہوالموت + اور باوجود ہر شئی کے قبضۂ قدرت باری عزاسمہ میں ہونیکے جیساکہ فسبحان الذی بیدہ ملکوت کل شئی اس کی مشعر ہے صرف مخاطبین یعنے کفار ہی کو متعلق

سورة ورکوع	آیت	بیان قرینہ وخیانت وجہالت کادیانی
		توفی گردانے میں تہدید کفار ملحوظ ہے جیسا کہ سباق سے ظاہر ہے اور یہی امر موید ہے تخصیصِ ذکر توفی کا دون ذکر نعمۃ الایجاد لان المقام مقام تخویف وتہدید + اور نیز چونکہ اس آیت ما نحن فیہا سے پہلے اہلاکِ کفار اور انجاء رسل اللہ ومومنین کا ذکر ہے اسلئے مراد اس پارۂ آیت سے یہ ہوگی کہ میں اُسی ایک معبود برحق کی پرستش کرتا ہوں جسنے مجھ سے تمہاری ہلاکت اور میرے انجاء کا وعدہ کیا ہے پس اس طریق سے بھی توفی بمقابلہ انجاء مذکور ہوئی۔ فثبت القرینۃ واندفعت الریبۃ مضمونِ مذکور تفاسیر معتبرہ مثل تفسیر کبیر۔ ابن کثیر۔ فتح البیان۔ ابی السعود۔ رحمانی۔ کشاف وغیرہ سے ماخوذ ہے۔ فتامل ولا تعجل۔
آل عمران ع ٦	یعیسی انی متوفیک ورافعک الی ومطہرک من الذین کفروا	ان ہر دو آیات میں توفی سے مراد رفع جسمی ہے بقرینہ صریحہ رافعک الی ومطہرک من الذین کفروا اور آیت وافیہ بل رفعہ اللہ الیہ اور احادیث نزول من السماء کما سیجیئ ذکر ذلک مستوفی انشاء اللہ تعالیٰ
مائدہ ع ١٦	فلما توفیتنی	

بس اب قرآن شریف کی جملہ آیات توفی کا پورا پورا بیان ہو چکا۔ اور ایک نیک باطن پاک طینت صاحب بصیرت کے لئے کوئی گنجائش انکار باقی نہ رہی اور کادیانی کے طعن کا جواب جسمیں اُسنے اپنے ازالہ صفحہ ٣٣٥ میں کل علمائے سلف وخلف کو ملحد ومحرف قرار دیا ہے کافی طور پر ہو چکا کہ دیگر مواقع پر توفی سے موت اور نیند مراد لینے کی یہ وجوہ ہیں اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں توفی سے رفع مراد لینے

کی یہ وجہ ہے - اب کادیانی کو کوئی حق نہیں کہ ناحق علمائے اسلام کے شان میں بدزبانی کرکے اپنا نامۂ اعمال سیاہ کرے + ؎

چوں خدا خواہد کہ پردہ کس درد　　　میلش اندر طعنۂ پاکاں کند

اگر کوئی لفظ کئی معنوں میں اطلاق پذیر ہے خواہ وہ معنی حقیقی ہوں خواہ منقولی یا قیاسی تو قرآن شریف میں اسکے مواضع کثیرہ میں ایک ہی معنی میں مستعمل ہونے سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا ہے کہ دیگر مواضع میں بھی اسکے یہی معنی لگینگے - کیونکہ ایسے کئی نظایر ہیں کہ سارے قرآن شریف میں کسی لفظ کے ایک ہی معنی ہیں اور صرف ایک جگہ پر اس لفظ کے اور معنے ہیں یہاں صرف پانچ مثالوں پر اکتفا کیا جاتا ہی زیادہ تحقیقات کے لئے تفسیر اتقان کو ملاحظہ فرمائیں +

اول لفظ اصحاب النار قرآن مجید میں جس جگہ آیا ہی اسکے معنی دوزخ میں جلنے والے کفار و فساق ہیں سولئے سورت مدثر کے کہ اسمیں اسکے معنے وہ فرشتے ہیں جو دوزخ پر متقرر ہیں

دوم بعل کے معنی سورہ بقر اور نسآء میں شوہر ہیں اور سورہ صافات میں نام ہے اس بت کا جسے قوم الیاس ؑ پوجتی تھی

سوم - عود اور عادۃ کے معنے سارے قرآن شریف میں تکرار فعل کے ہیں بجز آئت والذین یظاھرون من نساھم ثم یعودون لما قالوا کے کہ اس میں توبہ اور پشیمانی مراد ہے -

چہارم - ریب کے معنے ہر جگہ شک ہیں مگر آئت ریب المنون میں حوادث دہر مراد ہیں -

پنجم - بروج سے مراد ہر جگہ کواکب ہیں - مگر فی بروج مشیدۃ میں اونچے اونچے محکم محل مراد ہیں +

وَرَافِعُکَ اِلَیَّ

لفظ توفی کی نسبت کافی طور پر تحقیق ہو چکی اور علم تصریف اور کتب لغت اور تفاسیر معتبرہ سے بہ بسط محقق ہو چکا کہ توفی بحسب الوضع اخذ الشئ وافیا یعنے کسی چیز کو پورا پورا لے لینے کے لئے موضوع ہے اور موت اور نیند اور قبض جسم اسکے انواع ہیں اور یہ بھی ثابت ہو چکا ہے کہ تعیین یک نوع دون آخر کے لئے حاجت قرینہ صارفہ کی ہوتی ہے جیسا کہ نقشہ آیات توفی سے ظاہر ہو چکا ہے۔ پس قول یعیسے انی متوفیک سے رفع جسد الی السماء مراد لینے کے لئے پہلا قرینہ ورافعک الی ہے اور رافعک الی سے رفع روح اور عزت کی موت مراد نہیں ہے جیسا کہ کادیانی کو خبط ہوا ہے۔ بلکہ مراد اس سے رفع جسم الی السماء ہے لاغیر۔ تفصیل اس اجمال کی یوں ہے کہ صراح میں لکھا ہے رفع برداشتن وھو خلاف الوضع یعنی رفع کے معنی اوپر کیطرف اٹھانا ہیں۔ برخلاف لفظ وضع کے کہ اسکے معنے "نیچے رکھنا" ہیں۔ اسی طرح مصباح منیر میں لکھا ہے رفعتہ رفعا خلاف خفضتہ لغت کی کسی کتاب میں رفع کے معنے "عزت کی موت" نہیں آئے اور نہ کسی محاورہ میں اسکا استعمال ان معنوں میں پایا گیا ہے یہ صرف کادیانی کا تصرف فی اللغۃ ہے جس طرح چاہتا ہے قرآن وحدیث اور لغت کو اپنی ہوائے نفسانی کے تابع کرتا ہے + اگر کہا جائے کہ جب رفع کا صلہ الی آتا ہے تو یہ کنایہ ہوتا ہے اعزاز و اکرام سے۔ جیسا کہ محاورہ رفعتہ الی السلطان صراح میں موجود ہے۔ تو اسکا جواب اول تو یہ ہے کہ اس محاورہ سے متمسک ہو کر رفع جسمی کا انکار کرنا استعداد علمی سے عاری ہونیکا نتیجہ ہے۔ کیونکہ صراح کی پوری عبارت یوں ہے "۔ و نزدیک گردانیدن کسے را بکسے صلتہ بالی ومن ذلک قولہم رفعتہ الی السلطان " جب عبارت "نزدیک گردانیدن کسے را بکسے" موجود ہے

تو اس سے کسی ذی علم و فہم کو یہ وہم ہو سکتا ہے کہ اس جگہ رفع سے مراد صرف رفعتِ منزلت ہے کیونکہ کسی کو کسی کے نزدیک کرنے میں قرب جسمی ملحوظ ہوتا ہے۔ پس محاورہ رفعتہ الی السلطان کے معنے یہہ نہیں کہ اس شخص کو گھر بیٹھے بٹھائے عزت دلادی بلکہ معنے تو یہہ ہیں کہ میں اسکو بادشاہ کے پاس لیگیا۔ عزت اور ذلت سے اس میں کوئی بحث نہیں اگر وہ شخص منظورِ نظرِ شاہی ہے تو حضورِ شاہی میں اسکی عزت ہوگی اور اگر کوئی مجرم ہے تو موردِ سخطات شاہی ہوگا۔ کیونکہ بادشاہ اور حاکم کی حضوری میں عزت و ذلت اپنے مادہ اور استعداد کے لحاظ سے ہے نہ باعتبار بادشاہ کے قریب جانیکے۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری جزء ۹ صہ۱۳۱ میں محاورہ رفعہ الی الحاکم کے معنے جو ہر طرح سے رفعتہ الی السلطان کا ہم پلہ ہے احضرہ للشکوی یعنی شکایت کی لئے حاکم کے حضور میں لیجانا لکھے ہیں۔ ثانیاً یہہ کہ صراح کی عبارت کا مطلب عند ارادۃ الاعزاز یہی ہے کہ بر تقدیر ارادہ معنے اعزاز و مرتبہ رفع کا صلہ الیٰ آنا چاہیئے نہ یہہ کہ جس جگہ رفع کا صلہ الیٰ ہو اُس سے بغیر اعزاز و اکرام کے اور کچھ ارادہ نہیں کر سکتے تا کہ رفع جسمی ممنوع خیال کیا جاوے اور مخالف کو کامیابی ہو بلکہ الیٰ کے صلہ ہونے کے وقت نظر بر اصل واقعہ کہیں رفع جسمی اور اعزاز دونوں مجتمع ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ محاورہ رفعتہ الی السلطان جس صورت میں متکلم نے مفعول کو اصالتہً یا وکالتہً بجسمہ لیجا کر سلطان کے ہاں معزز بنایا ہو۔ اور ظاہر ہے کہ معنے وضعی اور کنائی کا اجتماع ممتنع نہیں بخلاف حقیقی اور مجازی کے۔ اور کسی جگہ صرف رفع جسمی بغیر ارادہ اعزاز کے پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ امثلہ ذیل اس امر کی مشعر ہیں۔

المثال الاول ۔ المصباح المنیر میں بذیل لفظ رفع لکھا ہے رفعت الزرع الی البیدر اور اسکے معنے صراح میں یوں کئے ہیں ''برداشتم غلہ درودہ و بخرمن گاہ آوردم'' یعنی میں کھیت کو کاٹ کر اور غلہ اٹھا کر خرمن گاہ میں لے آیا۔ ایسا ہی قاموس

میں ہو والزرع حملوہ بعد الحصاد الی البیدر۔ اسی طرح اساس البلاغۃ میں
بھی ہے۔ المثال الثانی۔ صحیح بخاری باب اذا وکل رجلاً فترک الوکیل
شیئاً میں حدیث وکالۃ ابی ھریرۃ بحفظ زکوۃ رمضان میں الفاظ
لارفعنک الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وارد ہیں۔ اور فتح الباری
شرح صحیح بخاری باب الوکالۃ جزء ۹ صفحہ ۴۳ لارفعنک کے ذیل میں لکھا ہے۔ ای
لاذھبن بک اشکوک یقال رفعہ الی الحاکم اذا احضرہ للشکوی یعنی
حضرت ابوہریرۃ رضہ نے شیطان لعین سارق غلہ صدقات کو کہا کہ آج تو میں تجھے
ضرور ضرور رسول اللہ صلعم کی جناب میں تیری بدعملی کی شکائیت کے لئے لیچلونگا
اور اسی طرح یہ محاورہ ہے رفعہ الی الحاکم یعنی وہ اسکو حاکم کے حضور میں اس کی
بدعملی کی شکائیت کے لئے لیگیا۔ اگر رفع کے معنے بوقتِ صلہ الی صرف اعزاز واکرام
ہونے ہیں۔ تو کیا معاذ اللہ حضرت ابوہریرہ رضہ اکثر الصحابۃ روایۃ نے شیطان
سارق (چور) کو عزت دلانی چاہی تھی؟ اور پھر رسول اللہ صلعم کی جناب پاک میں؟
نعوذ باللہ من ذلک۔ المثال الثالث صحیح بخاری باب فضل الکھف و
نزول السکینۃ و نیز مشکوۃ المصابیح صفحہ ۱۸۶ حدیث قرأۃ اسید بن حضیرؓ سورۃ
الکھف میں رفع رأسہ الی السمآء اور فرفعت رأسی الی السمآء وارد ہے
اس حدیث میں بھی دودفعہ رفع کے ساتھ صلہ الی آیا ہے اور دونوں جگہ رفع جسمی
مراد ہے بغیر ارادہ رفع منزلۃ کے۔

المثال الرابع۔ صحیح بخاری و صحیح مسلم و نیز مشکوۃ کتاب الجنائز باب البکاءُ
علی المیت صفحہ ۱۴۲ میں رسول اللہ صلعم کی بیٹی زینب رضہ کے فرزند ارجمند رضہ کے
فوت ہونیکی حدیث میں فرفع الی رسول اللہ صلعم الصبی یعنی وہ لڑکا رسول اللہ
صلعم کا نواسہ آپ کے پاس اُٹھا کر لایا گیا۔ سُبحان اللہ رفع جسمی کے لئے کیا

عمدہ مثال ہے۔ المثال الخامس اللہ تعالیٰ نے سورہ فاطر میں فرمایا۔ الیہ یصعد
الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ تفسیر فتح البیان میں اس آیت کے ذیل میں لکھا
ہے (الیہ) تعالیٰ لا الی غیرہ (یصعد الکلم الطیب) الصعود ھو الحرکۃ الی فوق
وھو العروج ایضاً وموضع الثواب فوق وموضع العذاب اسفل ومعنی صعودہ
الیہ قبولہ لہ او صعودا لکتبۃ من الملٰئکۃ بما یکتبونہ من الصحف انتہٰی۔
قلت صورتِ ثانیہ یعنی ملائکہ کا اعمالِ عباد کو حیز کتابت میں لاکر صعود الی السماء کرنا
حدیث مروی فی الباب کے بالکل موافق ہے جیسا کہ اسی تفسیر میں اس سے آگے
روائیت ابن مسعود رضؓ میں آیا ہے۔ ان العبد المسلم اذا قال سبحان اللہ وبحمدہ
والحمد للہ ولا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر وتبارک اللہ قبض علیھن ملک فضمھن
تحت جناحہ ثم **یصعد بھن الی السماء** فلا یمر بھن علی جمع من الملائکۃ
الا استغفروا لقائلھن حتی یجیی بھن وجہ الرحمٰن ثم قرء الیہ یصعد الکلم الطیب الآیۃ
یعنی جس وقت کوئی مسلمان سبحان اللہ وبحمدہ الخ پڑھتا ہے تو ایک فرشتہ جو ان کلمات پر
موکل ہوتا ہے ان کلمات کو لے لیتا ہے اور اپنے بازوؤں کے نیچے لگا کر آسمان
پر لے چڑھتا ہے۔ پس فرشتوں کی جس جماعت کے پاس سے وہ گزرتا ہے وہ سب
اُسکے قائل کے لئے دعاء استغفار مانگتے ہیں حتیٰ کہ اللہ تعالیٰ کی جناب پاک میں
تحفۃً پیش کئے جاتے ہیں ۔ عبد اللہ بن مسعود رضؓ نے یہ حدیث سنا کر پھر یہ آئیت
الیہ یصعد الکلم الطیب پڑھی۔ اور اسی طرح تفسیر ابن کثیر میں بھی اس آیت کے ذیل میں
اس حدیث کو نقل کیا ہے اور یہ معنی دیگر کئی احادیث سے بھی ثابت ہیں۔ چنانچہ صحیح بخاری
باب ذکر الملائکہ میں کراماً کاتبین کی نسبت ثم یعرج الیہ الذین باتوا فیکم وارد ہے
نیز معلوم ہے کہ اس جگہ بھی عروج جو صعود کا مترادف ہے اس کا صلہ الیٰ آیا ہے
اور مراد عروج حقیقی ہے نہ کنائی ومجازی۔ دیگر یہ کہ صعود الی اللہ سے قبولیت

مراد رکھنا بنا بر ارادہ معنے لازمی کے ہے اور ممارسِ کتب فن پر ظاہر ہے کہ لازمی
معنوں کے ساتھ حقیقی معنوں کا ارادہ جایز ہے جیسا کہ آگے بحث کنایہ میں مفصل
طور پر مطوّل سے نقل کیا جائیگا۔ کیونکہ کلمات طیبات کا مکتوب ہوکر حقیقۃً مرفوع
الی السمآء ہونا ہی مستلزم قبولیت ہے۔ اگر قبول نہ کئے جائیں تو مرفوع بھی نہ ہوں فافہم۔
المثال السادس ۔ حدیث صحیح مسلم یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النہار الحدیث
اس میں بھی رفع کا صلہ الیٰ آیا ہے اور صورت صعودِ اعمال کی اوپر کی مثال میں
گزر چکی گویا یہہ حدیث من وجہ تفسیر ہے آیت الیہ یصعد الکلم الطیب کی ۔
شیخ عبد الحق صاحب محدث دہلوی شرح مشکوۃ میں اس حدیث کی شرح یوں
فرماتے ہیں :۔ یرفع الیہ عمل اللیل قبل عمل النہار یعنی برداشتہ میشود و بالا بردہ
میشود بسوئے درگاہِ وے عملہائے بندگاں کہ در شب مے کنند پیش از عملہائے
کہ در روز مے کنند وعمل النہار قبل عمل اللیل و برداشتہ میشود عملِ روز پیش از عملِ
شب یعنی ہنوز روز نشدہ وعملے دراں واقع نشدہ کہ عملِ شب بالامی برند و شب نرسیدہ
کہ عملِ روز برند و دریں مبالغہ است در مسارعتِ ملائکہ موکل باعمالِ عباد و امتثالِ
امر و سرعتِ عروجِ ایشاں بمجالِ عرض و مصاعدِ سمٰوات و قدرتِ ایشاں بر رفعِ
اعمال در ادنیٰ ساعت چہ فرق میانِ روز و شب جزآنی وجز ولایتجزی نبود انتہے
ایسا ہی **امام نووی** رح نے اس حدیث کی شرح میں فرمایا۔ فان الملائکۃ الحفظۃ
یصعدون باعمال اللیل بعد انقضائہ فی اول النہار ویصعدون باعمال النہار
بعد انقضائہ فی اول اللیل " **المثال السابع** در مجمع البحار جلد ثانی صـ۲۳ زیر لفظ
رفع لکھا ہے فرفعہ الی یدہ اے رفعہ الی غایۃ طول یدہ لیراہ
الناس فیفطرون - اس حدیث میں بھی رفع کا صلہ الیٰ آیا ہے اور مراد اس سے حقیقۃً
مفعولِ رفع یعنی برتن کا مدخولِ الیٰ کی طرف اُٹھانا ہے پس رفعِ جسمی ثابت ہے

المثال الثامن ۔ مجمع البحار جلد ۲ صہ ۲۳ ۔ یرفعہ الی النبی صلعم اس میں بھی رفع کا صلہ الیٰ آیا ہے اور مراد اس سے مدخولِ الیٰ کی طرف بات کو نسبت کرنا اور اس تک پہنچانا ہے دفی ہذہ الامثلۃ کفایۃ لمن لہ درایۃ

ان عبارات سے صاف ظاہر ہے کہ جب رفع کا صلہ الیٰ آتا ہے تو اسکے معنی شئی مذکور کو مدخولِ الیٰ کیطرف اٹھانا ہی ہوا کرتے ہیں بغیر ارادہ معنی موت و اعزاز و اکرام کے۔ خواہ وہ شئی جوہر ہو خواہ عرض ۔خلاصۃ المرام یہ کہ لغت میں رفع کے حقیقی اور وضعی معنے اوپر کو اٹھانا ہیں برخلاف وضع اور خفض کے کہ انکے معنی "نیچے رکھنا" ہیں پس جہاں رفع کا مفعول کوئی جسم ہوگا وہاں اس سے مراد الحرکۃ والانتقال من السفل الی العلو ہوگی اور اگر اسکا متعلق و معمول کوئی معنی ہوگا تو اقتضاء مقام پر محمول ہوگا جیسے محاورہ رفعتہ الی الحاکم میں اگر ضمیر منصوب سے مراد کوئی جسم ہو تو اس سے مراد رفع جسمی ہوگی اور اگر کوئی امر و معاملہ ہو تو صرف اس امر کا پیش کرنا مراد ہوگا اس بیان کی تصدیق کے لئے مصباح منیر کی عبارت ذیل ملاحظہ ہو تاکہ اللہ تعالیٰ ظلماتِ شکوک سے نجات دیوے وہی ہذہ ۔ فالرفع فی الاجسام حقیقۃ فی الحرکۃ والانتقال وفی المعانی علی ما یقتضیہ المقام" مصباح کی اس تصریح سے واضح ہوگیا کہ رفع کے حقیقی اور وضعی معنے نیچے سے اوپر کو حرکت اور انتقال کے ہوتے ہیں اور نیز محاورات سابقہ سے روشن ہوگیا کہ رفع کا صلہ جب الیٰ آوے تو اسکے معنے شئی مذکور کا مدخولِ الیٰ کیطرف مرفوع ہونا ہوا کرتے ہیں۔ پس اس بیان و تحقیق سے ورافعک الی کے معنے یہ محقق ہوئے کہ عیسے عم بجسدہ زندہ مرفوع الی السماء ہوئے کیونکہ رافعک میں ضمیر مخاطب راجع بطرفِ منادیٰ یعنے عیسیٰ ع ہے اور اسماء اجسام مع ارواح کے ہوا کرتے ہیں نہ مجرد ارواح کے اور نہ مجرد اجسام کے اور کلمات الی اللہ اور الی السماء متساوق فی المعنے ہیں علی ما بیّن انفًا

ثالثاً یہ کہ کنایات بغیر ارادہ معنی کنائی و بغیر مطابقہ با صلیل
واقعہ کے اور مجازات بغیر تعذر حقیقت یا وجود قرینہ صارفہ کے مراد نہیں لیئے جاسکتے
مثلاً کشف عن الساق جو کنایہ شدۃ امر اور مستعدی سے ذکر کیا جاتا ہے اسکا یہہ
مطلب نہیں کہ یہہ محاورہ اپنے معانی حقیقیہ یعنے "پنڈلی کو برہنہ کرنا" پر کبھی بھی
دال نہیں ہوگا۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص پانی سے گزرنے کیوقت
یا کسی اور تقریب سے اپنی ساق (پنڈلی) کو فی الواقع برہنہ کرے تو یہ الفاظ معانی
حقیقیہ پر محمول ہونگے جیسے آیت سورہ نمل وکشفت عن ساقیھا میں ہے اور اگر
حالات اس امر کے مقتضی ہیں کہ اس شخص نے اپنی پنڈلی برہنہ نہیں کی اور متکلم نے
بھی اس معنی کا ارادہ نہیں کیا تو یہی الفاظ کنایہ ہونگے مستعدی و تیاری سے
معہذا ارادہ معنی کنائی سے معنی حقیقی کی نفی نہیں پائی جاتی بلکہ دونوں جمع ہو سکتے
ہیں برخلاف مجاز کے کہ یہ حقیقۃ کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتی اور کنایہ اور مجاز میں
یہی فرق ہے۔ جیساکہ مطول میں بالتصریح مذکور ہے الکنایۃ لفظ ارید بہ لازم
معناہ مع جواز ارادتہ معہ ای ارادۃ ذلک المعنے مع لازمہ کلفظ طویل النجاد
والمراد بہ لازم معناہ اعنی طول القامۃ مع جواز ان یراد حقیقۃ طول النجاد
ایضاً فظھر انھا تخالف المجاز من جھۃ ارادۃ المعنے الحقیقی للفظ مع ارادۃ
لازمہ کارادۃ طول النجاد مع ارادۃ طول القامۃ بخلاف المجاز فانہ لا یصح
فیہ ان یراد المعنے الحقیقی انتھے۔ اسی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ رافعک الی کے معنی
حقیقی یعنے رفع جسمی جو بالکل حق ہیں اور معنے کنائی فرضی یعنے رفع منزلۃ جو مراد نہیں
ہیں۔ ان دونوں میں تباین کلی و منافاۃ نہیں ہے۔ بلکہ دونوں معاً مجتمع و متحقق
ہوسکتے ہیں کیونکہ رفع جسمی بہ نسبت عبد صالح مستلزم اعزاز و اکرام ہوتی ہے جیساکہ آیت
ورفع ابویہ علی العرش سے ظاہر ہے خصوصاً مسئلہ ماتحن فیھا یعنی رفع مسیح

الی السماء میں رفعتِ قدر و منزلت بھی بطریق اولیٰ و احسن پائی جاتی ہے۔ پس معنی کنائی ہم کو مضر نہیں جب تک یہ ثابت نہ کیا جائے کہ ارادہ معنی کنائی کے وقت ارادہ معنے حقیقی بالضرور ممنوع ہے اور معنی مجازی کی نسبت یہ جواب ہے کہ ارادۂ مجازات بغیر تعذر حقیقت باوجود قرینہ صارفہ کے ممنوع ہے کما تقرر فی کتب الاصول والبیان اسی لئے قرآن شریف میں جہاں کہیں رفع سے مراد رفع بحسب الدرجہ مراد ہے تو وہاں بالضرور قرائن صارفہ موجود ہوتے ہیں مثلاً آیات ترفع بعضہم درجٰت (بقرہ) اور نرفع درجٰت من نشاء (انعام و یوسف) اور رفع بعضکم فوق بعض درجٰت (انعام) اور رفعنا بعضہم فوق بعض درجٰت (زخرف) میں لفظ درجات بالتصریح موجود ہے۔ پس چونکہ آیت ورافعک الی میں ارادۂ رفع جسم الی السماء کے لئے نہ تو تعذر حقیقت لازم آتا ہے اور نہ کوئی قرینہ موجود ہے۔ اسلئے اس جگہ رفع منزلت مراد نہیں لے سکتے۔ عوام کے افہام کے لئے اسقدر کافی ہے کہ وہ آیت ورفع ابویہ علی العرش (یوسف) جو کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اپنے والدین کو تخت کے اوپر بٹھانے کے بارے میں ہے یاد رکھیں کہ جسطرح اس آیت میں مفعولِ رفع کا مدخولِ علیٰ پر حقیقۃً بالجسد مرفوع ہونا مراد ہے اسی طرح آیت یٰعیسیٰ انی متوفیک ورافعک الی میں حضرت مسیح علیہ السلام کا بجسدہ العنصری مرفوع الی السماء ہونا مراد ہے اور اسی طرح آیت الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ (فاطر) میں معمولِ یصعد یعنی کلمہ طیب کا مدخولِ الیٰ یعنے جناب باری عزاسمہٗ میں آسمان پر مرفوع ہونا مراد ہے جیساکہ اس کی تفصیل حدیث شریف میں وارد ہے اور اس کی کچھ شرح ص ۹ میں گزر چکی ہے۔ نیز آیت ثانیہ سورۂ فاطر سے یہ بھی مستفاد ہوا کہ ارتفاع الی اللہ اور صعود الی السماء متساوق فی المعنے ہیں کیونکہ صورت صعودِ کلماتِ طیبات کی یہ ہے کہ کراماً کاتبین اعمالِ عباد لکھ کر آسمان پر

جناب باری عز اسمہ میں پیش کرتے ہیں + جملہ تفاسیر معتبرہ مثلِ تفسیر کبیر[1] - معالم[2] جلالین[3] - سواطع الالہام[4] - تفسیر رحمانی[5] جو بیانِ نکاتِ قرآنی میں بے مثل ولاثانی ہے اور تفسیر فتح البیان[6] - جامع البیان[7] - ابن کثیر[8] - مدارک[9] در منثور[10] - بیضاوی[11] - السراج المنیر[12] - خازن[13] - کشاف[14] - ابی السعود[15] - عباسی[16] ان سب منقولی و معقولی تفاسیر میں بلا خلاف رافعک الی سے رفع الی السماء مراد لکھا ہے - چنانچہ بعض کی عبارات جیز تحریر میں لائی جاتی ہیں:-

تفسیر رحمانی جو بیانِ معارفِ قرآنی میں لاثانی ہے - اسمیں لکھا ہے (و) لا ادع لک شہوۃ طعام و شراب فتحتاج الی مساکنۃ الارض لانی (رافعک الیّ) ای الی **سمائی** (و) انما رفعک لانی (مطھرک من) جوار (الذین کفروا) لئلا یصل الیک من آثارھم شئ (و) کما اجعلک **فوق اھل الارض** فانا (جاعل الذین اتبعوک من المسلمین والنصاریٰ (فوق الذین کفروا) بک من الیھود یغلبونھم (الی یوم القیمۃ) علامہ صوفی **علی** مھایمی رح نے اس عبارت جامعہ میں منکرین کے اس شبہ کا بھی ازالہ کر دیا ہے کہ اگر حضرت روح اللہ ع آسمان پر زندہ موجود ہیں تو کھاتے کہاں سے ہیں؟ اسی طرح تفسیر کشاف اور مدارک میں ہے (ورافعک الیّ) الی سمائی و مقر ملائکتی یعنی تجھ کو اپنے آسمان اور اپنے فرشتوں کی جگہ میں اُٹھا لینے والا ہوں اسلئے کہ حضرت روح اللہ ع بوجہ ولادت بلا پدر مشابہ بالملائکہ ہیں - جیسا کہ عنقریب بالتفصیل مذکور ہو گا + سبحان اللہ علامہ محمود جار اللہ زمخشری باوجود اہلِ اعتزال کا امام ہونے کے اپنی اس تفسیر میں جو قرآنمجید کی عربیت بیان کرنیمیں سب کی استاد تسلیم کیگئی ہے رافعک الیّ کے معنے میں حقیقی رفع الی السماء کو چھوڑ کر تاویل نہیں کر سکے - اسیطرح تفسیر بیضاوی - سراج منیر اور ابی السعود میں ہے:

ومطھرک من الذین کفروا

دوسرا قرینہ انی متوفیک سے رفعِ جسد الی السماء مراد لینے کے

لئے الفاظ ومطہرک من الذین کفروا میں اس جگہ تطہیر سے مراد تخلیص وانجار ہے
کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مشرکین کو نجس اور پلید فرمایا انما المشرکون نجس (توبہ)
تو جب اللہ تعالیٰ اپنے پاک رسول سے ایسا وعدہ کرے کہ میں تجھے کفار کا پلید
ہاتھ بھی نہ لگنے دونگا تو تعجب ہے کہ ایک مسلمان کس طرح اعتقاد کر سکتا ہے۔ کہ
یہود بے بہبود نے آپ کو پکڑ کر صلیب پر چڑھایا اور سر پر کانٹوں کا تاج پہنایا۔ اور
ہاتھوں اور پاؤں میں میخیں ٹھونکیں۔ اور پھر پسلی میں نیزہ مارا۔ نعوذ باللہ من
ذلک۔ مزید برآں ایک اور مقام غور ہے کہ جن یہودیوں نے آپ کو بحالت
صحت وقوت ایسا ماخوذ کر لیا کہ آپ سے یہ یہ ناگفتہ بہ سلوک کئے تو اب صلیب سے
نیم جان اُتار کر وہ اعدا دین کیا کچھ بے عزتی اور بے حرمتی اس پاک رسول روح اللہ
کی نہیں کر سکتے۔ اعوذ باللہ من ہذہ الخرافات کیا صلیب پر چڑھانے سے وعدہ
ومطہرک من الذین کفروا ٹھیک قائم رہتا ہے؟ معاذ اللہ۔ اگر کوئی شخص بے سمجھی
سے بول اُٹھے کہ تطہیر سے مراد اس جگہ ان الزاموں سے بری کرنا ہے جو یہود آپکی
ولادتِ بے پدر کے بارے میں لگاتے تھے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ بے شک
اللہ تعالیٰ نے آپ کو ان سب الزامات سے پاک کیا اور بری بیان کیا۔ مگر اس
تطہیر سے مراد سوائے نجات از مکراشیاں اور کچھ نہیں۔ تفصیل اس اجمال کی
یہ ہے کہ مطہرک کا وعدہ بوقتِ تبلیغ رسالت ہے اور الزامات سے برارت اس سے
پیشتر تکلم فی المہد سے ہو چکی ہوئی ہے۔ لہذا وہ جو پہلے گزر چکا ہے اس کا وعدہ
کس طرح ہو سکتا ہے۔ چونکہ الزامات سے برارت پہلے ہو چکی ہے اور وعدہ مطہرک
من الذین کفروا اس کے بعد ہوا ہے لہذا اس تطہیر سے مراد برارت نہیں لے
سکتے۔ دیگر یہ کہ مقامِ وعدہ تطہیر مقتضی ہے نجات از مکائدِ کفار کا کیونکہ یہ وحی اس
وقت ہوئی جب یہود آپ کے قتل کی کوشش کر رہے ہیں۔ تو ظاہر ہے کہ یہ موقع

بشارت تخلیص کا ہے نہ طعن اور الزام سے بری کرنیکا۔ اگر کوئی کہے کہ یہ تطہیر از طعن رسول اللہ صلعم کی معرفت قرآن شریف میں کی گئی ہے اسلیئے یہ وعدہ درست ہو سکتا ہے۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم کی معرفت کوئی مستقل طور پر برات ذکر نہیں کی گئی جو کی گئی ہے وہ صرف حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے کلمات کو نقل کیا گیا ہی لہذا اصل برات خود عیسے علیہ السلام کی زبانی اس وعدہ سے پیشتر ہو چکی ہی اور ظاہر ہے کہ کوئی فعل بالاستقلال ناقل اور معید کی طرف منسوب نہیں ہو سکتا بلکہ اسمیں وہ اپنے سے پہلے کی تابع ہوتا ہے۔ جملہ تفاسیر معتبرہ مثل تفسیر کبیر[۱] اور تفسیر معالم[۲] اور تفسیر جلالین[۳] اور تفسیر سواطع الالہام فیضی[۴] اور تفسیر رحمانی[۵] جو نکات قرآنی کے بیان کرنے میں بے مثل ہے اور تفسیر فتح البیان[۶] اور تفسیر ابن کثیر[۷] جامع البیان[۸] - بیضاوی[۹] - مدارک[۱۰] - سراج منیر[۱۱] - خازن[۱۲] - کشاف[۱۳] - ابی السعود[۱۴] عباسی[۱۵] ان سب تفاسیر میں ومطھرک من الذین کفروا کے معنے کفار کے ہاتھ سے خلاصی اور نجات لکھے ہیں بلکہ تفسیر فتح البیان اور ابن کثیر میں اس جگہ رفع الی السماء بھی ذکر کیا ہے۔ پس انی متوفیک ورافعک الی ومطھرک من الذین کفروا کے صحیح معنے یہ ہوئے اے عیسیٰ میں تجھے پورا پورا لونگا اور تجھے اپنی طرف آسمان پر اٹھالونگا اور تجھے کفار کے شر سے صاف بچا لونگا۔

اس جگہ رفع الی السماء کو متوفیک سے تعبیر کرنیمیں ایک نکتہ ہے جو تفسیر کبیر وخازن میں لکھا ہے اور وہ یہ ہے :- ان التوفی اخذ الشئ وافیاً ولما علم اللہ ان من الناس من یخطر ببالہ ان الذی رفعہ اللہ ھو روحہ لا جسدہ ذکر ھذا الکلام لیدل علی انہ علیہ الصلوٰۃ والسلام رفع بتمامہ الی السماء بروحہ وجسدہ (تفسیر کبیر) یعنی توفی کے معنے کسی چیز کو بتمامہ لے لینا ہے اور چونکہ اللہ تعالیٰ کو معلوم تھا کہ کسی ضال مضل والناس کے دل میں یہ گزریگا کہ اللہ تعالیٰ نے

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روح کو اُٹھایا تھا اور جسم کو نہیں اُٹھایا تھا اس لئے اللہ تعالیٰ نے متوفیک فرمایا تاکہ اس امر پر دلالت کرے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو بتمامہ مع جسم اور روح کے آسمان پر اُٹھالیا۔ سبحان اللہ! ایسے ہی امروں سے قرآن شریف کا کلام الٰہی ہونا ثابت ہوتا ہے کیونکہ جو بات مدت کے بعد کسی نے کہنی تھی اس کی تردید اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی سے کردی ہوئی ہے۔ یہہ ایک عظیم الشان پیشینگوئی ہے جو پوری پوری واقع ہوئی سبحان اللہ واللہ اکبر وللہ الحمد ؀

اگر کوئی سوال کرے کہ صحیح بخاری میں ابن عباس رض سے متوفیک کی تفسیر ممیتک مذکور ہے تو اسکا جواب یہ ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما حضرت عیسے علیہ السلام کی موت قبل النزول کے قائل نہیں ہیں۔ صحابہ رضی اللہ عنہم میں سے عیسےٰ علیہ السلام کے رفع آسمانی کی بیشتر روایات حضرت ابن عباس رض ہی سے مروی ہیں۔ چنانچہ تفاسیر مبسوطہ اُن سے مملو ہیں آپنے جو متوفیک سے ممیتک مراد بتائی ہے تو اسکے یہ معنے نہیں کہ حضرت عیسی علیہ السلام مرگئے ہیں۔ بلکہ آپ اس آیت میں تقدیم و تاخیر کے قائل ہیں یعنی یہ کہ توفی بالموت کا تحقق بعد نزول من السماء الی الارض کے ہوگا اگرچہ آیت میں مقدم ہے۔ اور رفع الی السماء کا تحقق قبل موت کے ہوا اگرچہ ذکر میں مؤخر ہے۔ کیونکہ ترتیب ذکری اور ترتیب وقوعی میں مطابقہ ضروری نہیں اسکے نظائر قرآن مجید اور حدیث شریف اور کتب ادب میں بکثرت ہیں اور کتب نحو اس سے بھری پڑی ہیں کہ واو حرف عطف میں ترتیب نہیں ہوتی مثلاً اسی سلسلہ ذکر حضرت مریم صفیۃ اللہ میں آیت یمریم اقنتی لربک واسجدی وارکعی مع الراکعین میں سجدہ رکوع سے پہلے ذکر کیا حالانکہ ترتیب خارجی وعملی میں متاخر ہوتا ہے۔ مسئلہ تقدیم و تاخیر کے دیگر نظائر کے لئے تفسیر اتقان

فی علوم القرآن کا مطالعہ کرنا چاہیے امام سیوطی رح تفسیر درمنثور میں فرماتے ہیں کہ ضحاک نے ابن عباس سے دربارۂ متوفیک روایت کی کہ مراد اس سے یہ ہو کہ تجھے اُٹھانیوالا ہوں۔ پھر زمانہ اخیر میں تجھے مارونگا۔

اخرج اسحاق بن بشر و ابن عساکر من طریق جوھر عن الضحاک عن ابن عباس فی قولہ انی متوفیک و رافعک الیّ یعنی رافعک ثم متوفیک فی اٰخر الزمان (درمنثور)

اور اسی طرح تفسیر ابی السعود میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر موت اور نیند کے اُٹھایا جیسے کہ حضرت حسن بصری اور ابن زید نے کہا اور یہی علامہ امام ابن جریر طبری نے اختیار کیا ہے۔ اور یہی امر ابن عباس رض سے صحیح طور پر ثابت ہے۔

والصحیح ان اللہ تعالیٰ رفعہ من غیر وفاۃ ولا نوم کما قال الحسن و ابن زید وھو اختیار الطبری وھو الصحیح عن ابن عباس (ابی السعود)

اور اسی طرح تفسیر ابن کثیر اور فتح البیان میں بذیل آیت وانہ لعلم للساعۃ (زخرف) ابن عباس کا مذہب دربارۂ نزول ثانی نقل کیا ہے اور نیز فتح الباری اور قسطلانی شروح صحیح بخاری میں آیہ وان من اھل الکتٰب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ میں قبل موتہ کی ضمیر کے بارے میں لکھا ہے کہ بسند صحیح ابن عباس کا مذہب یہی ثابت ہو کہ یہ ضمیر عیسےٰ ع کی طرف پھرتی ہے اور جو اس ضمیر کی بابت ابن عباس سے یہ منقول ہے کہ کتابی کی طرف پھرتی ہے اُس کو ضعیف لکھا ہے۔ پس تصریحات بالا سے ثابت ہوگیا کہ حضرت ابن عباس رض کا اعتقاد یہی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام زندہ آسمان پر اُٹھائے گئے ہیں اور آخری زمانہ میں پھر نازل ہونگے اور پھر اس کے بعد فوت ہونگے۔ اب جو شخص ابن عباس کے ممیتک فرمانے سے عیسےٰ علیہ السلام کی موت کا قبل رفع الی السماء قائل ہو اس کی وہی مثال ہے جو کسی بے نمازنے

ترک صلوٰۃ کے عذر میں آیت لاتقربوا الصلوٰۃ سے تمسک کیا تھا جب اُسے آگے پڑھنے کو کہا گیا تو کہنے لگا کہ سارے قرآن پر تیرے باپ نے عمل کیا ہے؟ پس ابن عباس رض کے قول ممیتک کو متمسک بنانا اور اُن کے اپنے اعتقاد مصرح در باب رفع الی السماء و نزول الی الارض فی آخر الزمان کی طرف توجہ نہ کرنا بلکہ اس کے خلاف اعتقاد رکھنا أفتؤمنون ببعض الکتب وتکفرون ببعض کا ارتکاب نہیں تو اور کیا ہے؟ ناظرین انصاف گزین پر روشن ہو گیا کہ ابن عباس رض کا سچا متبع کون ہے اور آپ کے قول کو توڑ توڑ کر اپنی ہوائے نفسانی کے موافق بنانیوالا کون ہے۔

میں آشکارا پکارتا ہوں اور پوشیدہ نہیں کہتا کہ کیا فرقہ جدیدہ بدعیہ میں سے کوئی ہے جو ابن عباس رض سے بسند صحیح صریح روایت درباره مرچکنے مسیح علیہ السلام کے دکھلاوے۔ اے کادیانی عمامہ و جبہ پوش دراز ریشو! کیا تم میں سے کوئی ہے۔ جو مرد میدان بنکر بسند صحیح ابن عباس سے اس امر کی تصریح لاوے کہ عیسٰے علیہ السلام آسمان پر زندہ نہیں اُٹھائے گئے۔ اے دنیائے دون کی خاطر کادیان کو دار ہجرت بنانیوالو! کیا تم میں سے کوئی علم و فضیلت کا مدعی ابن عباس رض سے بسند صحیح ثابت کر سکتا ہے کہ عیسٰے علیہ السلام بار ثانی نزول فرما نہیں ہونگے۔ ۔ ۔ اگر تم یہ امور ثابت نہ کر سکو اور یقیناً ہرگز ثابت نہ کر سکو گے تو سنو! اس حبر امت جلیل القدر صحابی عم زادہ آنسرور علیہ آلاف التحیۃ والسلام پر ناحق افترا نہ باندھو اور اس جرأت عظیمہ سے باز آکر عقاید باطلہ مبتدعہ سے جلد توبہ کرو۔ تمت والحمد للہ اولاً و آخراً

اب ذیل میں اُن کتابوں کا نام لکھا جاتا ہے جن میں اس امر کی تصریح کی گئی ہے کہ واؤ حرف عطف ترتیب کے لئے نہیں ہوتا بلکہ مطلق جمع کیلئے آتا ہے۔ یہ اس لئے ہے کہ انی متوفیک ورافعک الی میں گو انی متوفیک مقدم ہے اور رافعک مؤخر ہے مگر وقوع اور تحقق میں رفع پہلے ہوا اور توفی بالموت پیچھے ہو گی۔

کتب علم نحو کافیہ ابن حاجب ۔ شرح ملا جامی ۔ رضی شرح کافیہ ۔ فوائد شافیہ المعروف بزینی زادہ ۔ ترتیب سعیدی حواشی کافیہ ۔ تکملہ فخرنا و مولینا عبدالحکیم ۔ الفیہ ابن مالک ۔ حاشیہ الفیہ مفصل علامہ زمخشری صاحب تفسیر کشاف

کتب اصول حصول المامول ۔ اصول شاشی ۔ حواشی اصول شاشی ۔ حسامی ۔ نورالانوار ۔ کاشف اسرار ۔ اصول بزدوی ۔

کتب فن بلاغۃ ۔ مختصر المعانی ۔ مواہب الفتاح ۔ عروس الافراح

علم ادب ۔ شرح سبع معلقہ قصیدہ لبید بن ربیعہ میں مولوی فیض الحسن صاحب جو ہندوستان کے ادیبوں کے سرتاج اور اُن میں ممتاز ہوئے ہیں اس کی تصریح فرماتے ہیں شعر یہ ہے ۔ ؎

اغلی السباء بکل ادکن عاتق ٭ او جونۃ قدحت وفض ختامہا

حالانکہ بوتل اور شیشہ کا ڈٹ پہلے کھولا جاتا ہے اور پیچھے اس میں سے شراب یا جو کچھ اسمیں ہو نکالا جاتا ہے مگر اس شعر میں شراب کا نکالنا پہلے مذکور ہوا ہے اور ڈٹ کا کھولنا پیچھے ٭

قرآن کریم اسی طرح ماں کے پیٹ سے نکلنا پیچھے ہوتا ہے اور آنکھ ۔ کان وغیرہ کا بننا پہلے ۔ مگر آیت سورہ نحل واللہ اخرجکم من بطون امہاتکم لا تعلمون شیئًا وجعل لکم السمع والابصار والافئدۃ میں ماں کے پیٹ سے نکالنا پہلے ذکر کیا گیا اور دل آنکھ کان کا بنانا پیچھے ۔ حاصل مطلب یہ کہ واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہوتی اور ترتیب ذکری اور ترتیب وقوعی یا خارجی یا علمی میں مطابقت ضروری نہیں ٭

دوسری آیت ۔ سورہ بقر میں ہے وادخلوا الباب سجدًا وقولوا حطۃ اور سورہ اعراف میں ہے وقولوا حطۃ وادخلوا الباب سجدا یعنی ہم نے یہود کو کہا کہ دروازہ میں سجدہ کرتے ہوئے داخل ہونا اور کلمہ حطۃ یعنی بخشش کہنا

اور اسی مضمون کو سورہ اعراف میں یوں کہا ہے اور کہو بخشش دکر ہمکو اور داخل ہو دروازے میں سجدہ کرتے ہوئے۔

پہلی آیت میں حکم دخول باب پہلے ذکر کیا اور قول حطۃ پیچھے اور دوسری آیت میں بالعکس چنانچہ اسی آیت کی نسبت رضی شرح کافیہ میں ہے کہ اگر واؤ ترتیب کے لئے ہو تو اللہ تعالیٰ کا یہ قول وادخلوا الباب سجدا وقولوا حطۃ اُس قول سے جو دوسری جگہ بالفاظ وقولوا حطۃ وادخلوا الباب سجدا وارد ہے ٹوٹ جاتا۔ کیونکہ قصہ ایک ہی ہے

ولو کانت للترتیب لناقض قولہ تعالیٰ وادخلوا الباب سجداً وقولوا حطۃ قولہ فی موضع اخری وقولوا حطۃ وادخلوا الباب سجدا اذ القصۃ واحدۃ (رضی ص ٥٠٣)

تیسری آیت۔ نموت ونحیا وما نحن بمبعوثین (مومنون) یعنی کفار نے کہا کہ ہم مرتے ہیں اور زندہ رہتے ہیں اور پھر ہم دوسری دفعہ نہیں اُٹھائے جائینگے اس جگہ مرنے کو پہلے ذکر کیا اور زندہ رہنے کو پیچھے حالانکہ ترتیب خارجی میں پہلے جینا ہوتا ہے پیچھے مرنا۔ علامہ رضی رح اس آیت کو بھی واؤ کی ترتیب کے لئے نہ ہونے پر شاہد لائے ہیں قرآن شریف میں اسکی مثالیں اسقدر ہیں کہ اُن کے نقل کرنے سے خوف تطویل ہے۔ غرض یہ امر مسلم ہے کہ واؤ ترتیب کے لئے نہیں ہوتی اور نیز ترتیبِ ذکری لزوماً مطابقِ ترتیبِ وقوعی نہیں ہوتی۔ پس جب اسقدر شواہد سے یہ مسئلہ پایہ یقین کو پہنچ گیا تو اب ابن عباس رض کا مذہب کہ آیت انی متوفیک ورافعک الی میں تقدیم وتاخیر ہے خلاف محاورہ لسان عرب نہوا حافظ جلال الدین سیوطی تفسیر در منثور میں فرماتے ہیں کہ ضحاک نے ابن عباس رض سے انی متوفیک ورافعک الیّ کی تفسیر میں یہ روایت کیا کہ میں تجھکو اُٹھا لینے والا ہوں پھر زمانہ کے اخیر میں مارونگا۔

اخرج اسحٰق بن بشر وابن عساکر من طریق جوھر عن الضحاک عن ابن عباس فی قولہ انی متوفیک ورافعک الیّ یعنی رافعک ثم متوفیک فی اخر الزمان (در منثور)

والآخر ما قاله الضحاك وجماعة ان فی هذه الآیة تقدیماً وتاخیراً معناه انی رافعك الی ومطهرك من الذین کفروا ومتوفیك بعد انزالك من السماء

اسی طرح تفسیر معالم میں ضحاک (شاگرد ابن عباس رض) وغیرہ سے روایت ہے کہ اس آیت میں تقدیم وتاخیر ہے اور اسکے معنے یہ ہیں کہ میں تجھے اپنی طرف اٹھا لینے والا ہوں اور کفار سے بالکل بچا لونگا اور آسمان پر سے نازل کرنیکے بعد مارونگا۔

آیت انی متوفیك ورافعك الی ومطهرك من الذین کفروا کی صحیح تفسیر منقولاً ومعقولاً بڑی تحقیق اور تدقیق سے پوری ہوئی اور حضرت روح اللہ علیہ السلام کا **رفع الی السماء بجسدہ العنصری** ثابت کیا گیا فالحمد للہ معلم الحقائق وملهم الدقائق معطی الخیرات من اماکنها ومنزل الرحمة من معادنها ومجری البرکات علی اهلها۔ دوسری آیت جس سے عیسےٰ ؑ کی حیات الی الآن اور رفع علی السماء قطعی طور پر ثابت ہے آیت سورہ نساء ہے وہی قولہ تعالیٰ۔ وقولهم انا قتلنا المسیح عیسی ابن مریم رسول اللہ وما قتلوه وما صلبوه ولکن شبه لهم وان الذین اختلفوا فیه لفی شك منه ما لهم به من علم الا اتباع الظن وما قتلوه یقیناً بل رفعه اللہ الیه وکان اللہ عزیزاً حکیماً

وقولهم انا قتلنا المسیح کی تفسیر صـ۶۳ میں اور وما قتلوه وما صلبوه کی تشریح صـ۳۶ سے صـ۴۱ تک اور ولکن شبه لهم کی توضیح وتنقیح صـ۴۱ سے صـ۵۹ تک بسط بیان ہو چکی اور حوالہ ترجمہ سیل صاحب سے ظاہر ہو چکا کہ حضرت روح اللہ ؑ کے واقعہ صلیبی کی نسبت صرف فرقِ نصاریٰ ہی مختلفۃ الآراء ہیں۔ لهذا ان الذین اختلفوا فیه سے یہی نصاریٰ مراد ہیں دون الیهود۔ کیونکہ یہود تو اپنے زعم میں قتلِ حضرت روح اللہ ؑ پر جزم رکھتے ہیں۔ کما هو واضح من قوله وقولهم انا قتلنا المسیح (قاتلهم اللہ) اور صـ۶۳ میں گزر چکا کہ وما قتلوه یقیناً

سے یہود کے اس جزم مزعوم کا ابطال اور اُس کی تردید منظور ہے فلذا تکرار درج آب
کلماتِ طیبات بل رفعہ اللہ الیہ کی صحیح مراد بیان کی جاتی ہے کہ یہ آیتِ بابِ
حیاتِ مسیح ور فع الی السماء میں نص قطعی بعبارۃ النص اور محکم ہے۔ سو واضح ہو کہ
کادیانی کا یہ قول ہے کہ معاذ اللہ حضرت مسیح ؑ صلیب پر چڑہائے گئے مگر زندہ اُتارے
گئے اور پھر خفیہ طور پر علاج کراتے رہے اور بعد ازاں بھاگ کر کشمیر میں آگئے جہاں
ستاسی سال زندہ رہکر فوت ہو گئے۔ اعاذنا اللہ من ھذہ الخرافات۔
بل رفعہ اللہ الیہ سے کبھی رفع روح بتاتا ہے اور کبھی عزت کی موت مراد رکھتا
ہے۔ کادیانی کی صلیب تو فصل اول سے بالکل منکسر ہو گئی اور معنی کنائی کی تردید
رافعک الی میں بالاستیفا رہو چکی۔ اور ہجرت الی الکشمیر کی تردید فلما توفیتنی
میں کی جائیگی۔ انتہٰ ۔ چونکہ کادیانی رفعہ اللہ الیہ سے رفع روح مراد لیتا
ہے اور اہل السنت والجماعۃ سلفاً وخلفاً مطابق مرادِ آلہی رفع جسم پر یقین رکھتے
ہیں اسلئے بہر دو صورت رفع کے معنے تو حقیقی ہی لئے گئے۔ اور نیز چونکہ کادیانی
بھی رفع روح الی اللہ کی صورت رفع الی السما ہی بتاتا ہے جیسا کہ اُس نے
اپنے ازالہ میں اس آیت کے ذیل میں بالتصریح لکھا ہے اور اہل سنت بھی رفع
الی اللہ اور رفع الی السماء کو متساوق المعنے جانتے ہیں جیسا کہ رافعک الی میں
محقق ہو چکا۔ اسلئے الیہ سے الی السماء مراد ہونا بھی عند الخصم مسلم ہو گیا۔ پس
تنازع صرف جسم و روح کے مرفوع ہو نہیں رہا اور بس۔ لہذا رفع روح کا
ابطال اور رفع جسم کا اثبات مدلل طور پر کیا جاتا ہی واللہ الموفق وھو نعم المعین
وجہ اول برائے ابطالِ رفع روحی و اثباتِ رفع جسمی چونکہ یہود کا قول انا قتلنا
المسیح ہی اور ظاہر ہے کہ قتل و صلب کے قابل جسم ہی نہ روح۔ اسلئے مزعوم یہود
قتل جسد ہوا نہ قتل روح۔ بنا بران وما قتلوہ وما صلبوہ اور وما قتلوہ یقیناً

میں بھی نفی قتل و صلب جسم ہی سے کیگئی ہے۔ پس چونکہ جملہ ضمائر منصوب و متصل جو افعال منفیہ و فعل مثبت کے ساتھ ہیں یعنی وما قتلوہ وما صلبوہ اور وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ میں واقع ہیں۔ ان سب کا مرجع مسیح ہے اسلئے لامحالہ جسد مسیح مرفوع ماننا پڑیگا بنابر اتحاد مرجع اور پھر چونکہ رفعہ اللہ الیہ میں رفع کو بصیغہ ماضی تعبیر کیا ہے اور ظاہر ہے کہ زمانہ کی ماضویت و استقبال بالنسبۃ الی آخر ہوتی ہے ذاتی نہیں ہوتی یعنی ایک ہی زمانہ بہ نسبت ایک کے ماضی ہو سکتا ہے اور بہ نسبت دوسرے کی استقبال۔ جیسا کہ شمس بازغہ تصنیف ملا محمد محمود کی بحث آن سے معلوم ہو سکتا ہے۔ اسلئے رفع کی ماضویت بھی کسی کی نسبت سے ہوگی اور وہ ماقبل بل ہے یعنی واقعہ صلیبی۔ جس طرح کہ آیات ام یقولون بہ جنۃ بل جاءھم بالحق اور ویقولون ائنا لتارکوا الھتنا لشاعر مجنون بل جاء بالحق میں مجئی بالحق کا تحقق پہلے ہوا بعدازاں اُن کفار بدکردار نے آپ صلعم کی نسبت زعم جنون کیا اور آئیت وقالوا اتخذ الرحمن ولدا سبحانہ بل عباد مکرمون میں تکریم بعض عباد اللہ کا تحقق پہلے ہوا پیچھے مشرکین نے اُنکی نسبت زعمِ اُلوہیت کیا۔ اسی طرح بل رفعہ اللہ الیہ میں بھی یہی ملحوظ ہے کہ ماقبل بل یعنی واقعہ صلیبی پر زعم یہود بہ نسبت مسیح پیچھے ہوا۔ اور اس سے بیشتر اللہ تعالیٰ نے آپکے جسد مبارک کو مرفوع الی السماء کر لیا ہوا تھا اور چونکہ واقعہ صلیبی کے بیشتر حیاتِ مسیح علیہ السلام عند الخصم بھی مسلم ہے اسلئے اللہ تعالیٰ نے جسدِ حضرت روح اللہ کو آسمان پر زندہ اُٹھا لیا۔ اور یہود کے ہاتھ میں ہرگز نہ آنے دیا اور یہی امتنان باری آیہ وانی ہدایہ واذ کففت بنی اسرائیل عنک میں مذکور ہے اور یہی تھا وعدہ الٰہی بقولہ ومطھرک من الذین کفروا کما مر فسبحان اللہ ما اصدق عہدہ وانجز وعدہ ونصر عبدہ وھزم الاحزاب وحدہٗ +

نیز اسلئے کہ چونکہ وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ میں ہردو منصوب متصل ضمیریں المسیح کی طرف راجع ہیں اور المسیح معبّر ہے جسد مع روح سے۔ اسلئے صرف اسی ضمیر سے رفع جسد مع روح ثابت ہو سکتا ہے۔ کیونکہ ارواح مجردہ بغیر تعلق بالبدن کے قابل تسمیہ نہیں ہوتے اور نہ جسم بے روح حامل اسم ہوتا ہے۔ شق اول آیت واذ اخذ اللہ من بنی آدم اور باب صحیح بخاری "الارواح جنود مجندۃ" سے ثابت ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ خلق ارواح کا تحقق خلق اجسام سے متقدم ہے اور اس حالت میں اُن کے اسماء نہیں ہوتے اور شق ثانی مسئلہ فقہیہ عدم تسمیہ صبیّ درصورت غیر مستہل ہونے سے ظاہر ہے۔ پس واضح ہو گیا کہ اللہ تعالی نے المسیح یعنے جسم مع روح کو جسکا نام المسیح عیسے ابن مریم تھا آسمان کی طرف اُٹھالیا۔ اور یہہ امر بشارتِ حضرت مریم صفیۃ اللہ سے بھی معلوم ہو سکتا ہے کہ اللہ تعالی نے علی لسان الملائکۃ فرمایا یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسے ابن مریم۔ اس سے واضح ہوا کہ مسمّٰی بالمسیح عیسیٰ بن مریم ہونا بعد تحققِ اثرِ کلمہ کن کے ہے اور وہ کیا ہے؟ ولادتِ مسیح ۔ فثبت المراد والحمد للہ اور ایسا ہی انا نبشرک بغلام اسمہ یحیےٰ سے ظاہر ہے۔ فافہم وتدبر وتامل ولا تعجل۔

وجہ ثانی برائے ابطالِ مزعوم کادیانی۔ آیت بل رفعہ اللہ الیہ میں قتل وصلب کی نفی کے بعد اثباتِ رفع بواسطہ حرف بل کیا گیا ہے اور ممارسِ کتب فن پر روشن ہے کہ بل اضرابیہ ابطالیہ کے اطراف متضاد فی الحکم ہوتے ہیں اور باہم متحقق نہیں ہو سکتے۔ کیونکہ اجتماع ضدین عقلاً محال ہے جیسا کہ آیات مذکورہ ذیل سے واضح ولائح ہے۔ الآیۃ الاولی۔ وقالوا اتخذ اللہ ولداً سبحانہ بل لہ ما فی السموات والارض ۔ الآیۃ الثانیۃ وقالوا اتخذ الرحمن ولداً سبحانہ بل عباد مکرمون ان آیتوں میں ولدیت وعبودیت میں کلمہ بل سے تضاد و تنافی ظاہر کرکے تنزیہہ باری سبحانہ از اتخاذ ولد کی گئی ہے الآیۃ الثالثۃ ۔ ام یقولون بہ جنۃ بل جاءھم

بالحق * الآیۃ الرابعۃ۔ ویقولون ائنا لتارکوا الھتنا لشاعر مجنون بل جاء بالحق وصدق المرسلین * ان آیتوں میں کلمۂ بل سے رسول اللہ صلعم سے نسبتِ مجنونیت وشاعریت کا ابطال اور آپ کے مجیئ بالحق وتصدیق المرسلین کا اثبات کیا گیا ہے کیونکہ جب آپ اللہ تعالیٰ کی طرف سے حق لیکر آئے ہیں اور دیگر مرسلین علیہم السلام کی تصدیق کرتے ہیں تو پھر آپکی طرف نسبتِ مجنونیت وشاعریت بالکل باطل ٹھیری اگر کلمۂ بل کو افادۂ مذکور کے لیے مفید تسلیم نہ کیا جائے تو معاذ اللہ پھر تقریب ناتمام رہتی ہے۔ پس آیتِ معنونہ میں بھی ماقبل بل یعنے مقتولیت ومصلوبیت اور مابعد یعنے مرفوعیت میں منافاۃ وعدم اجتماع فی التحقق پایا جانا چاہیے۔ اگر رفعہ اللہ الیہ سے مراد رفعِ روح یا اعزاز واکرام لیا جاوے تو ناقد لبیب پر اسکا بطلان ظاہر ہے۔ کیونکہ مابین مقتولیت ومصلوبیت اور رفعِ روح و اعزاز واکرام کے اصلاً منافاۃ نہیں کیونکہ شہداء جو ظلماً مقتول ہوتے ہیں اُن کے ارواح عالم بالا کو مرفوع ہوتے ہیں اور وہ جناب باری عز اسمہٗ میں نہایت معظم ومکرم بھی ہوتے ہیں۔ پس بمقتضائے کلمۂ بل ارادۂ رفعِ روح باطل ٹھیرا۔ اور چونکہ مقتولیت ومصلوبیت اور رفعِ جسمی میں منافاۃ ہے اور ہر دو معاً متحقق نہیں ہو سکتے۔ لاہذا ارادۂ رفعِ جسمی تسلیم کرنا پڑیگا۔ کیونکہ جب جسم مرفوع الی السماء ہوگیا تو پھر یہود اسکو صلیب پر نہیں چڑہا سکتے۔ سوال کادیانی مقتولیتِ مسیح ؑ کا قائل نہیں۔ لہذا تقریب بالا اُسکے مذہب کے خلاف موثر نہیں اور نیز بموجب اسکے مذہب کے مابعد بل یعنے رفع جو کنایہ ہی اعزاز واکرام سے اس میں اور ماقبل بل یعنے قتل بالصلیب میں جو بحکم توریت مستلزم لعن ہے۔ تنافی وتضاد منصور ہے۔ کیونکہ ملعون عنداللہ معزز نہیں ہو سکتا۔ اما الجواب عن الشق الاول پس واضح ہو کہ تقریر بالا گو ردا لزعم الیہود کی گئی ہے۔ کیونکہ وہی بالجزم اس کے خلاف کہتے تھے۔ مگر اس ہیں من وجہ کادیانی کے اعتقادِ فاسد کا ابطال مفصل

بھی بکمال وضوح عیاں ہے۔ اگرچہ اُس نے یہودیت و نصرانیت کے رنگ میں ایک الگ مسلک اختیار کیا ہے۔ وہ یہہ کہ حضرت مسیح علیہ السلام صلیب پر تو چڑھائے گئے مگر اس سے مرے نہیں ٭ تقریب بالا کے تردیدِ کادیانی میں مفید ہونیکی تقریر یوں ہے کہ مضمون کسرِ صلیب میں محقق ہو چکا ہے کہ صلیب کے معنے صرف سولی پر لٹکانے کے ہیں۔ پس چونکہ کادیانی مصلوبیت حضرت مسیح ؑ کا قائل ہے اسلیئے تقریب بالا سے اس کے مذہب کا ابطال بھی ہوا۔ کیونکہ بل رفعہ اللہ الیہ میں ابطالِ مصلوبیت بھی ملحوظ ہے بوجہ بل کے قبل نفیاً مذکور ہونیکے ٭ اور شق ثانی کے جواب میں اول تو یہ معروض ہے کہ کتب محرفہ سے استدلال و تمسک کرنا اور بیان قرآنی میں تحریف کرنا اس سے بھی زیادہ موجب لعن ہے۔ جو توریت موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام پر نازل کی گئی تھی وہ تو صفحۂ دنیا سے مرفوع نظر آتی ہے۔ اور اس کا کہیں بھی پتہ نہیں ملتا اور جو پانچ کتابیں بنام توریت مجموعہ بائبل کے ابتدا میں منضم ہیں وہ اس سے زیادہ اور کچھ نہیں کہ کسی مؤرخ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بہت دیر بعد وقائع و شرائع موسویہ کو تاریخی طور پر جمع کیا جیسا کہ اُسکی اندرونی شہادات سے ثابت ہے مثلاً کتاب استثنا رباب اخیر واقعہ وفاتِ حضرت کلیم اللہ ؑ اور اسی طرح اور کئی مواضع دیگر یہہ کہ توریت اور انجیل شریف اور قرآن عظیم غرض جملہ کتب سماویہ میں اللہ تعالیٰ کا یہی وعدہ ہے کہ شہدا مراتب عالیہ فائز ہونگے چنانچہ سورہ توبہ میں فرمایا۔

ان اللہ اشترٰی من المومنین انفسھم واموالھم بان لھم الجنۃ یقاتلون فی سبیل اللہ فیقتلون ویقتلون وعدا علیہ حقا فی التورٰیۃ والانجیل والقرآن الآیۃ۔ دیگر یہہ کہ توریت موجودہ میں بھی مطلقاً قتل بالصلیب کو مستلزم لعن قرار نہیں دیا گیا بلکہ خاص اسی شخص کو ملعون کہا گیا ہے۔ جو کسی سخت جرم واجب الصلیب کی سزا میں مصلوب ہو جیسا کہ سیاق و سباق عبارت سے ظاہر ہے

(۲۲) اور اگر کسی نے کچھ ایسا گناہ کیا ہو جس سے اسکا قتل واجب ہو اور وہ مارا جاوے
اور تو اُسکو درخت میں لٹکا وے (۲۳) تو اُس کی لاش رات بھر لٹکی نہ رہے بلکہ تو اُسی دن
اُسے گاڑ دے کیونکہ وہ جو پھانسی دیا جاتا ہے خدا کا ملعون ہے اسلیئے چاہیئے کہ
تیری زمین جس کا وارث خداوند تیرا خدا تجھ کو کرتا ہے ناپاک نہ کی جاوے (استثنا
باب ۲۱) مزید برآن ظاہر ہے کہ کافر مجرم کا مقتول بالصلیب ہونا ہی موجب لعن
نہیں ہے بلکہ اگر کوئی شریعت حقہ کے حکم سے کسی اور طریق سے بھی قتل کیا جائے
یا سزا دیا جائے تو پھر بھی وہ زمرۂ مردودین میں معدود ہوگا۔ جیسا کہ آیت مائدہ
سے ثابت ہے۔ انما جزآؤ الذین یحاربون اللہ ورسولہ ویسعون فی
الارض فسادا ان یقتلوا او یصلبوا او تقطع ایدیھم وارجلھم من خلاف
او ینفوا من الارض ذٰلک لھم خزی فی الدنیا ولھم فی الاٰخرۃ عذاب
عظیم ۝ اور یہہ بھی یاد رہے کہ مومن عاصی کے لیئے حدود کفارہ ہوتی ہیں جیسا کہ تبویب
بخاری سے ظاہر ہے ٭ پس اس بیان سے واضح ہوگیا کہ عند اللہ ملعون و غیر ملعون
اور مردود و مقبول ہونا مادۂ صلاح و فساد کے سبب ہے۔ نہ قتل و صلب کے سبب ٭
پس جب ثابت ہو چکا کہ توریت موجودہ میں بھی مطلقاً مقتولیت بالصلیب کو
موجب لعن قرار نہیں دیا گیا بلکہ وہ حکم مجرم کی نسبت ہی تو چونکہ حضرت روح اللہ ؑ
فی الواقع غیر مجرم تھے لہذا بنا بر واقع ماقبل بل یعنے قتل بالصلیب اور مابعد بل
یعنے رفع اعزازی میں تنافی و تضاد متحقق نہ ہوا بلکہ مومنِ مقتول مظلوم عند اللہ
معزز ہوا۔ پس تقریب کلمۂ بل بعد ابطالِ تاویل و استیصالِ مذہب کا دیانی رفعِ
جسمی میں محکم رہی ٭ اور اگر مسیح علیہ السلام کو معاذ اللہ بزعم یہود مجرم خیال
کرکے تنافی پیدا کی جاوے تو ماہر ذکی پر ظاہر ہے کہ وما قتلوہ یقیناً بل رفعہ
اللہ الیہ قصر قلب ہے جس میں مزعوم مخاطب کو برعکسِ ما یذکرہ المتکلم ظاہر کرکے

رد کیا جاتا ہے اور چونکہ صورتِ اعتراضیہ میں بحسب علم المتکلم بھی وصفِ مزعومِ مخاطب
کا وجود متصور ہے و ہذا خلف ۔ لہٰذا قولِ قائل باطل ہوا ۔ فافہم ؂

ثانیاً یہ کہ صفحہ ۴۲ میں بوضوح محقق ہو چکا ہے کہ وما قتلوہ وما صلبوہ میں نفیِ قتل
وصلب مقصور علے المفعول ہے یعنی قتل وصلب کی نفی صرف بہ نسبتِ حضرت مسیح
کی گئی ہے دون غیرہ بلکہ ولکن شبہ لہم سے وہی قتل وصلب مزعومِ یہود شوم غیر
مسیح کے لئے ثابت کیا گیا ہے اور نیز صفحہ ۶۳ میں مذکور ہو چکا ہے کہ مفعول قتلنا
یعنی المسیح کو موصوف برسول اللہ ذکر کرنا بنابر اظہارِ مفاخرتِ یہود ہے جو قصرِ
مذکور کے لئے موید قوی ہے ۔ پس ماہر ذکی پر ظاہر ہو سکتا ہے کہ کلام الٰہی وما قتلوہ
یقیناً بل رفعہ اللہ الیہ کلام قصری ہے من باب قصر الموصوف علی الصفۃ
"وھو ان لا یتجاوز الموصوف تلک الصفۃ الی صفۃ اخری" ۔ اور پھر قصر قلب ہے
لوجود موجبہ ولیس قصر افراد ولا تعیین لفقدان موجبانہما اور پھر قصر
کے طرق اربعہ مشہورہ میں سے قصر بالعطف ہی لانہ اشتمل علے کلمۃ بل التی تقتضی
ثبوت ضد حکم ما قبلہ لما بعدہ ۔ اور چونکہ قصر میں تمیز بین الخطاء والصواب ملحوظ
ہوتی ہے اور قصر قلب میں متکلم پر واجب ہوتا ہے کہ مثبت و منفی کو منصوص ذکر
کرے ۔ کیونکہ اس میں نفی غیر اور اثباتِ مذکور بطریق حصر بیان کرنا پڑتا ہے ۔ تاکہ
مخاطب کے اعتقاد میں جو خطا ہے اسکی تردید بھی ہو جائے اور یہ بھی ظاہر ہو جائے کہ
مخاطب کا اعتقاد برعکسِ ما یذکرہ المتکلم ہے ۔ خصوصاً قصر بالعطف میں تو کسی صورت
میں بھی ترکِ تصریح بالمراد جائز نہیں کیونکہ پھر مابعدِ عاطفہ کا حکم ماقبل کی ضد ثابت
نہیں ہو سکتا بعد تمہید اس تقریب کے واضح ہو کہ اگر رفع الی اللہ سے موت طبعی
بعد واقعۂ صلیب بعرصۂ دراز بمسلکِ کشمیر مراد لیجاوے جیساکہ مزعوم کادیانی ہے
تو بمقتضائے تمہید مذکور کے تصریح وما قتلوہ بالصلیب بل بقی حیا زماناً

طویلاً ثم اماتہ اللہ ورفعہ الیہ ضروری ہے۔ کیونکہ جب مزعومِ یہود قتلِ مسیح بالصلیب تھا اور مرادِ الٰہی اثباتِ واقعہ صلیبی مگر برعکس زعمِ یہود ابطالِ قتل بالصلیب اور اثباتِ حیات بعد واقعہ صلیب بعرصہ دراز تھا تو اتنی تصریحات کا ترک کردینا فصاحت و بلاغت کے بالکل منافی ہے اور شانِ قرآن عظیم کے ہرگز شایان نہیں پس چونکہ بنا بر مذہبِ کادیانی بوجہِ فقدانِ نص علی المثبت یعنی واقعہ صلیبی وحیات بعرصہ دراز بعد ازاں کے یہود کے زعمِ باطل کا ابطال ہرگز نہیں ہو سکتا اور نہ مدعائے الٰہی کا اثبات اسلئے لامحالہ قولِ کادیانی باطل ٹھیریگا۔ اور چونکہ بموجب مذہب فرقہ حقہ ناجیہ اہل السنتہ والجماعۃ کے نص علے المثبت والمنفی موجود ہے یعنی ابطال واقعہ صلیبی بہ نسبتِ مسیح ماصلبوہ میں منصوص ہے اور رفع الی السماء بل رفعہ اللہ الیہ میں مصرح ہے اور قتل و صلبِ غیر مسیح جس پر آپ کی شباہت ڈالی گئی ولکن شبہ لھم میں مذکور ہے لہذا بل رفعہ اللہ الیہ سے سوائے رفع جسد کے اور کچھ مراد لینا ہرگز جائز نہیں۔ فافہم وتدبر +

ثالثاً یہ کہ وجہ اول میں بالدلیل ثابت ہو چکا ہے کہ رفع کی ماضویت بہ نسبتِ ماقبل بل یعنے واقعہ صلیبی کے ہے تو اگر رفعہ اللہ الیہ سے موت طبعی بعد از مدت مدید مراد لی جاوے تو معاذ اللہ کلام باری سبحانہ میں کذب لازم آتا ہے۔ کیونکہ جب موت مسیح قبل از واقعہ صلیبی واقع ہی نہیں ہوئی۔ تو پھر اس کو قبل از واقعہ ذکر کرنا کذب نہیں تو اور کیا ہے؟ وحاشا شانہ عن ذلک

بعد از قطع احتمالاتِ مردودہ مذکورہ آیت بل رفعہ اللہ الیہ رفع جسمی میں محکم ٹھیری۔ اور مخالف کے لئے اس میں کوئی گنجائش باقی نہ رہی۔ اسی لئے صحابہ کرام رضی جو اہل لسان تھے اور اپنی زبان عربی کے محاورات کو خوب سمجھتے تھے اور انہوں نے قرآن شریف من اولہ الی آخرہ رسول اللہ صلعم کی خدمت بابرکت میں شب و روز

اقامت کرکے آپ کی زبان وحی ترجمان سے مع اُس کے بیان و تفسیر کے سیکھا تھا اور علمائے عظام کیا متقدمین اور کیا متاخرین جو علوم عربیہ کے موجد اور مجدد اور میدانِ فصاحت کے فارس اور بحر بلاغت کے غواص تھے اور جنکے اسمائے گرامی سے آجکل علوم عربیہ زندہ نظر آتے ہیں اُن میں سے ایک سے بھی اس آیت میں اختلاف مروی نہیں - اور کسی نے بھی سوائے رفع جسمی کے مراد نہیں لی - چنانچہ تفسیر کبیر میں امام ہمام فخرالدین رازی رح فرماتے ہیں - رفع عیسےٰ ع الی السماء ثابت بهذه الاٰیۃ ونظیر هذه الاٰیة قوله فی اٰل عمران انی متوفیك ورافعك الی ومطهرك من الذین کفروا واعلم انه تعالی لما ذکر عقیب ما شرح انه وصل الی عیسےٰ انواع کثیرة من البلاء والمحنة انه رفعه الیه دل ذلك ان رفعه الیه اعظم فی باب الثواب من الجنة ومن کل ما فیها من اللذات الجسمانیة وهذه الاٰیة تفتح علیك باب معرفة السعادات الروحانیة +

اگر یہ سوال کیا جائے کہ جسم خاکی کا آسمان کی طرف صعود کرنا ممتنعات و محالات میں سے ہے اور نیز یہ کہ جب اللہ تعالیٰ دیگر رسولوں کو انہی اسباب معتادہ سے بچا کر اسی کرہ زمین میں بساتا رہا ہے جیساکہ حضرت ابراہیم ع اور لوط ع کو ارض مقدسہ اور آنحضرت صلعم کو مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت کرائی تو حضرت روح اللہ ع کو کیوں آسمان پر اُٹھا لیا اور کس لئے اتنی دیر تک زندہ رکھ کر پھر زمین میں نازل کریگا تو سوال کی شق اول کا جواب حسب وعدہ صنف یہ ہے کہ امر خارقِ عادت کے وقوع میں شک بدو وجہ ہو سکتا ہے - اوّل واقع کرنے والے کے نقصِ علم کی نظر سے - دوّم اسکے عجز و نقصِ قدرت کے اعتبار سے + اور یہہ امر عند الخصم بھی مسلم ہے کہ اللہ تعالیٰ عجائبات کا دکھلانیوالا ان ہر دو نقصوں سے مبرّا و منزہ ہے اسی لئے اللہ تعالیٰ نے بل رفعه اللّٰه الیه میں رفع کو اپنی طرف منسوب کیا کیونکہ

صعود الی السماء اگرچہ عیسیٰ علیہ السلام کی اپنی حول وقوت سے بعید ہے مگر اللہ عزیز کی قدرت کاملہ کے سامنے کچھ چیز بھی نہیں ۔ اور اسی طرح اللہ سبحانہ نے اسرار نبوی صلعم کو اپنی طرف مسند کیا اور فرمایا سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً الآیۃ یعنی اتنی مسافت بعیدہ اتنے وقت یسیر میں طے کرنا اگرچہ بہ نسبت محمد رسول اللہ صلعم کی قدرت کے متعذر ہے مگر اللہ سبحانہ کی قدرت کے سامنے بالکل سہل ہے افاد ذلک الامام الرازی رح تحت قولہ تعالی الآتی وکان اللہ عزیزاً حکیما ۔ حیث قال والمراد من العزۃ کمال القدرۃ ومن الحکمۃ کمال العلم فنبہ بھذا علی ان رفع عیسے من الدنیا الی السموٰت وان کان کالمتعذر علی البشر لکنہ لا تعذر فیہ بالنسبۃ الی قدرتی والی حکمتی وھو نظیر قولہ تعالی سبحان الذی اسریٰ بعبدہ لیلاً فان الاسرأ وان کان متعذرا بالنسبۃ الی قدرۃ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) الا انہ سھل بالنسبۃ الی قدرۃ الحق سبحانہ انتھٰی ۔ اور اسی نکتہ عجیبہ کے لئے بل رفعہ اللہ الیہ میں اسم جلالۃ ذکر کیا کیونکہ یہ اسم دلالت کرتا ہے اس ذات پر جو مستجمع جمیع صفات کمال ہو وھو الذی لا الٰہ الا ھو مزید برآں اسی دقیقہ لطیفہ کے لئے اپنی اور دو صفتیں جو کمالِ علم اور کمال قدرت کی مظہر ومثبت ہیں ذکر کیں جیسا کہ صہ ۳۳ میں مذکور ہوچکا ہے ۔ کہ چونکہ قرآن عظیم کی آیات مثل دعاوی مع بینات کے ہیں اسلئے ذکر ہر اسم اور صفت کا حسب اقتضائے مقام ومفہوم کلام ہوتا ہے ۔ اور وہ اسم بمنزلہ علتِ مضمون ہوتا ہے ۔ پس چونکہ رفع الی السماء میں وہم استبعاد وو سوسہ عیبیت واقع ہوسکتا تھا اسلئے اس کے ازالہ کے لئے وکان اللہ عزیزاً حکیما فرمایا یعنے اللہ تعالی مستجمع جمیع صفاتِ کمال اپنے ارادے پر غالب اور قادر ہے جو کچھ چاہتا ہے کرسکتا ہے ۔ لہذا حضرت روح اللہ م کو آسمان پر چڑھا سکنا اس کے دایرۂ قدرت

سے خارج نہیں اور چونکہ وہ حکیم ہے اسلئے آپکا رفع الی السمآء اور حیات سماوی
اور نزول بعینہٖ عبث اور خلاف حکمت نہیں۔ پس ذکر عزت یعنی غلبہ وکمال قدرت سے
استحالۂ صعودِ جسد کے وہم کا ازالہ کیا کیونکہ اللہ عزیز کی عزت (غلبہ) اور قدرت کے تصور
سے قلبِ مومن سے حجابِ استبعاد مرفوع ہوکر امکان بلکہ اُس اصدق القائلین
تعالیٰ شانہ کی خبر سے مکاشفہ وقوع ہو جاتا ہے۔ اور اُس کی حکمت کا صفحۂ دل
پر نقش جمانے سے دل جو پہلے محلِ وساوس وخطرات تھا مطمئن ہوکر موردِ انوارِ
ربانیہ ومہبطِ فیوضِ رحمانیہ بن جاتا ہے۔

یہ بھی واضح رہے کہ کسی امر کا امکان شئی دیگر ہے اور اس کا وقوع شئی دیگر۔
عقل کے متعلق صرف اثباتِ امکان ہے نہ وقوع جسطرح کہ وقوع صرف رؤیت
یا نقل یعنے مخبر صادق کی روایت وخبر کے متعلق ہے نہ عقل کے۔ پس برہانِ
عقلی سے صعودِ الی السمآء کے امکان کا بیان اس طریق سے ہے کہ ممتنعات دو قسم پر
ہیں بالذات وبالغیر اور ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے۔ کیونکہ عرف میں امکان
بدو معنے مستعمل ہوتا ہے ایک ان میں سے امکان ذاتی ہے کہ اسکا وجود وعدم بالنظر
الی ذاتِ الممکن متساوی ہوتا ہے۔ گو امور خارجیہ از علل موجبہ یا موانع وعوائق احدہما
واقع بلکہ واجب ہو اور یہ (امکانِ ذاتی) جامع ہوتا ہے وجوب بالغیر اور امتناع
بالغیر کو یعنے واجب بالغیر اور ممتنع بالغیر عین حالتِ وجوب وامتناع میں ممکن ذاتی
ہوتے ہیں۔ کیونکہ عین حالتِ وجوب وامتناع میں بھی اسکا وجود وعدم متساوی ہوتا
ہے اگرچہ بلحاظ امور خارجیہ احدہما واجب ہوگیا ہو۔ پس چونکہ صعود ونزول سماوی
ممتنع بالذات نہیں ہے بلکہ واجب بالغیر ہے لثبوت صعود الملئکۃ ونزولہم اسلئے
بہ نسبت بشر کے ممتنع بالغیر ہوگا بالنظر الی الامور الخارجیۃ مثل عدم استعداد در فطرت
انسان وعدمِ صعودِ فردے از افرادِ بنی آدم قبل از مسیح۔ اور تمہید بالا سے محقق

ہو چکا ہے کہ ہر ممتنع بالغیر ممکن بالذات ہوتا ہے کیونکہ امکان ذاتی جامع ہوتا ہے وجوب بالغیر اور امتناع بالغیر کو۔ اسلئے صعود البشر الی السماء ممکن بالذات ہوا + دیگر یہ کہ صعود البشر الی السماء بوجہ عدم صعود فردے از افراد بنی آدم قبل از مسیحؑ محالات عادیہ میں سے ہوگا نہ کہ عقلیہ میں سے اور محالات عادیہ کا ممکنات ذاتیہ میں سے ہونا ظاہر ہے۔ لتغذ الاحاطۃ بقدرۃ الحق سبحانہ + پس جب صعود البشر الی السماء ممکن بالذات ٹھیرا اور یہ امر عند الخصم مسلم ہے۔ کہ اللہ تعالیٰ ہر ممکن پر قادر ہے۔ تو رفع مسیح علیہ السلام الی السماء بہر دو طریق تحت قدرت باری عزاسمہٗ ثابت ہوا یعنے اس نظر سے بھی کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت مسیحؑ کی فطرت میں بنفخ روح قدسی مادہ ملکیت پیدا کر دیا ہوا تھا۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام بلکہ کل بنی آدم کی فطرت میں مادہ ملکیت یا اُن کو مثل ملائکہ پیدا کرینا داخل قدرت باری عزاسمہ ہے کیونکہ جب الوف الوف ملائکہ کو پیدا کر لیا تو اُن کی مثل پیدا کر لینے پر بھی قادر ہے جیسا کہ ضمن ذکر مسیحؑ ہی میں فرمایا ولو نشاء لجعلنا منکم ملائکۃ فی الارض یخلفون (زخرف) وسیاتی تفسیرہ مستوفی انشر اور نیز اس اعتبار سے بھی کہ افراد بنی آدم میں سے حضرت مسیحؑ کو اپنی قدرت کاملہ کا نمونہ بنانے کے لئے مخصوص کیا جیسا کہ ولنجعلہ اٰیۃ للناس (مریم) اور آیت ان ھو الا عبد انعمنا علیہ وجعلنٰہ مثلا لبنی اسرائیل (زخرف) سے عیاں ہے +۔ اور اگر سوال کیا جائے کہ باوجود قادر ہونے کے صرف مسیحؑ ہی کو کیوں مثل ملائکہ کے پیدا کیا تو اسکا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ قادر مختار ہے جیسا کہ فرمایا وربک یخلق مایشاء ویختار ما کان لھم الخیرۃ الآیۃ (قصص) اور نیز لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون (انبیاء) اور نیز ان ربک فعال لما یرید (ہود) فلا اعتراض علیہ فی تخصیص بعض دون بعض + کادیانی نے اس مقام پر ایک اور نادانی کی ہے کہ اپنے ازالہ میں اس آیت وکان اللہ عزیزاً حکیماً کے ذیل میں عزیز کا ترجمہ عزت والا یعنی آبرو والا کیا ہے

بیشک اللہ تعالی بڑی عزت والا ہے مگر اس کی صفت عزیز سے مراد غلبہ وقدرت ہے
چنانچہ علامہ فیومی رح مصباح میں فرماتے ہیں عز الرجل عزا بالکسر وعزازۃ بالفتح قوی
وعز یعز من باب تعب لغۃ فھو عزیز وجمعہ اعزۃ والاسم العزۃ وتعزز قوی وعززتہ بآخر تقویتہ
بالتثقیل والتخفیف من باب قتل انتہی۔ مصباح کا سارا بیان قرآن شریف کے بالکل مطابق
ہے چنانچہ سورہ یٰس میں ہے۔ فعززنا بثالث اور مائدہ میں ہے اعزۃ علی الکافرین
اور فتح میں اسی معنے میں اشداء علی الکفار فرمایا اور مواضع متعددہ میں صفت
عزیز کو صفت قوی کے ساتھ جمع کیا مثلاً حج۔ احزاب۔ شوریٰ اور مجادلہ۔ اس
بیان سے واضح ولائح ہوگیا کہ اسم الٰہی عزیز کے معنے الغالب علی ما یرید ہیں اور نیز یہ کہ
کادیانی لغت عربیہ سے بالکل نابلد ہے۔

سوال کی دوسری دونوں شقوں کے جواب میں اللہ سبحانہ نے اپنی صفت حکیماً
فرمائی۔ کیونکہ جب فعلِ رفع اللہ عزیز کی طرف منسوب ہوا تو اللہ تعالی حضرت عیسیٰ ع
کو شر یہود سے محفوظ رکھ کر اسی سطح زمین پر زندہ رکھنے پر بھی قادر ہے مگر بحکم فعل الحکیم
لا یخلو عن الحکمۃ ضرور ہے کہ اس کا کوئی فعل حکمت سے خالی نہ ہو کیونکہ صفاتِ الٰہیہ میں
سے ایک صفت حکیم بھی ہے اور وہ ہر شئ کو اس کے مقام مناسب پر رکھتا ہے
اور ہر شخص سے اُسکے مادہ فطرتی کے موافق اور استعدادِ نفسِ ناطقہ کے مطابق سلوک
کرتا ہے لہذا مقتضائے حکمت الٰہیہ یہی ہوا کہ حضرت روح اللہ علیہ السلام مقرِ ملائکہ
یعنی آسمان پر مرفوع ہوں۔ کیونکہ آپ علیہ السلام کی پیدائش پر اسبابِ ارضیہ منعقد
نہیں ہوئے۔ بلکہ آپ کی پیدائش نفخ روح القدس سے عالم الامر میں سے ہے یعنی
کلمہ کن سے ہوئی ہے۔ پس آپ کو کمالِ تشبہ بالملائکہ ایک خاص طور پر حاصل ہے
لہذا آپ کو مرفوع الی السماء کرکے آسمان کو آپ کا مقر بنادینا بمقابلہ آپ کے
مادۂ فطرتی کے مقام تعجب وخلافِ حکمت نہیں ہے۔ اسی تاثیر جبرائیلی سے معجزہ

تکلم فی المہد ظاہر ہوا اور یہی تاثیر روح القدسی احیاء موتی اور دیگر معجزات کا باعث ہوئی (معجزات کا مفصل بیان رسالہ ولادت مسیح ؑ میں مذکور ہوگا انشاء اللہ) اسی لئے قرآن شریف میں خبرِ سعادت اثر وایدناہ بروح القدس آپ ہی سے مخصوص ہے اور یہی تائید جبرئیلی صعود الی السماء کے وقت آپ کے ہمرکاب تھی۔ فافہم وآمن۔ حضرت عیسٰے علیہ السلام کے عالم الامر میں سے ہونیکی مفصل ومدلل بحث رسالۂ ولادت مسیح ؑ بلا والدین میں کی جائیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ ✦ دوسری حکمت الٰہیہ حضرت روح اللہ کے زندہ رکھنے اور پھر دُنیا میں نازل کرنیمیں یہ ہے کہ نظر بر کمالات انبیاءُ علیہم السلام چار وصف ایسے معلوم ہوتے ہیں جن کا حصول بہ نسبت انبیاء اولی العزم علیہم السلام کے ضروری ہے۔ گو ان میں سے کسی کی نسبت کوئی وصف بباعثِ عدم ضرورتِ ذکر قرآن شریف میں مذکور نہو یا بسببِ موانع وعوائقِ خارجیہ مثلِ عدم ضرورتِ ظہور بالفعل ظاہر نہوا ہو مگر بالقوۃ وہ سب ان صفات اربعہ سے متصف ہیں۔ اوّل مُبشّر بہٖ (بصیغہ اسم مفعول) اس اعتبار سے کہ اِس پیغمبر کے ہونے کی بشارت پہلے دی جاتی ہے جیسے حضرت روح اللہ علیہ السلام کی نسبت علی لسان الملائکہ حضرت مریم علیہا السلام کو بشارت دیگئی۔ یا مریم ان اللہ یبشرک بکلمۃ منہ اسمہ المسیح عیسے ابن مریم اور نیز ورسولا الی بنی اسرائیل پس حضرت مسیح ؑ مبشّر بہٖ ہوئے۔ دوم مصدّق سوم مبشّر ہر دو بصیغہ اسم فاعل ✦ مصدّق اس نظر سے کہ وہ رسول اپنے سے پہلے رسولوں کی تصدیق کرتا ہے اور مبشّر اس لحاظ سے کہ وہ رسول کسی دیگر رسول کے آنیکی بشارت سناتا ہے جیسے حضرت عیسیٰ روح اللہ اور موسیٰ کلیم اللہ اور محمد رسول اللہ حبیب اللہ صلوٰۃ اللہ علیہم وسلامہ کی نسبت حکایۃً عن روح اللہ علیہ السلام سورہ صف میں ذکر کیا ومصدقا لما بین یدی من التوراۃ ومبشرا برسول یاتی من بعدی اسمہ احمد۔ اس آیت سے حضرت عیسٰی علیہ السلام کے دونوں وصف یعنی مصدّق ومبشّر

ہر دو بصیغہ اسم فاعل ثابت ہوئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مصدَّق بصیغہ اسم
مفعول جو وصف چہارم ہے کیونکہ تصدیقِ کتاب مستلزم ہے تصدیقِ رسول کی ۔
اور آنحضرت سرورِ عالم صلعم کا مبشَّر بہ ۔ وصفِ چہارم جناب رسالت مآب صلعم کی
نسبت سورہ صافات میں فرمایا بل جاء بالحق وصدق المرسلین اس میں آپ
صلعم کا وصف مصدِّق اسم فاعل مذکور ہوا اور چونکہ حضرت روح اللہ علیہ السلام
بھی زمرہ مرسلین میں سے ہیں اسلئے اُن کی صفت مصدَّق بصیغہ اسم مفعول
ثابت ہوئی ۔ پس اس سلسلہ میں حضرت روح اللہ علیہ السلام کے چاروں وصف
ثابت ہوئے اور آں حضرت صلعم کے صرف دو یعنے مبشَّر بہ بصیغہ اسم مفعول و مصدِّق
بصیغہ اسم فاعل ۔ آنحضرت صلعم کے لئے بوجہ سیادت اور ختم رسالت ان اوصاف
اربعہ کا ظہور بالفعل ضروری ہے ۔ پس اگر آپکے اوصاف کی تکمیل بالفعل کے لئے کوئی
نیا رسول بھیجا جائے تو خاتم النبیین کا شرف باقی نہیں رہتا اور اگر ختم نبوت کی رعایت
کی جائے تو اوصاف مبشِّر بصیغہ اسم فاعل اور مصدَّق بصیغہ اسم مفعول کا ظہور نہیں
ہوتا جو شانِ سیادت کے شایاں نہیں ہے اس لئے اللہ حکیم کی حکمت بالغہ
اس امر کی مقتضی ہوئی کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو زندہ رکھا جائے جن کی آمد ثانی
کی بشارت سے آپ کا لقب مبشِّر بصیغہ اسم فاعل ظاہر ہو جائے اور حضرت مسیح ؑ دنیا میں
آکر اس امر کی تصدیق کریں کہ محمّد رسول اللہ صلعم حق ہیں ! احق ہے !!!
اور آپ صلعم کی صفت مصدَّق بصیغہ اسم مفعول بالفعل ظاہر ہو جائے ۔ پس اس
طریق حکیمانہ سے ختم نبوت بھی قائم رہی کیونکہ حضرت مسیح علیہ السلام آپ صلعم سے
پہلے رسول بن چکے ہوئے ہیں اور اسی نبوت سے پھر آئینگے اور نیز رسول اللہ صلعم
کے اوصاف اربعہ بھی پورے ہو گئے ۔ چنانچہ فتح الباری شرح صحیح بخاری باب
نزول عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام میں تخریج طبرانی من حدیث عبد اللہ بن مغفل

مذکور ہے۔ ینزل عیسے ابن مریم مصدقاً بمحمدؐ علے ملتہ + حضرت مسیح علیہ السلام کو اس نعمۃ جزیلہ و منحۃ جلیلہ کے لئے اسواسطے مخصوص کیا گیا کہ آپ کی نسبت حضرت مریم صفیۃ اللہ ؑ کو آپ کی ولادت سے پیشتر ہی بشارت ولنجعلہ اٰیۃ للناس سنائی گئی تھی۔ لہذا آپ اس انعام کے زیادہ مستحق ہیں۔ اسی لئے رسول اللہ صلے اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں انا اولی الناس بعیسے ابن مریم الحدیث رواہ البخاری وغیرہ اس حدیث کی مزید توضیح و تشریح رسالہ نزول المسیح من السماء میں کی جائیگی انشاء + اور نیز مخالفین جو ایرادات و مناقضات عیسیٰ علیہ السلام کے نزول عینی پر وارد کرتے ہیں ان کے مفصل جواب دیئے جائیں گے + اور اس ذکر عجیب کو بوجہ طوالت بہت افسوس سے اس جگہ بند کیا جاتا ہے وما توفیقی الا باللہ۔

الحمد للہ کہ اُس کے فضلِ غیر متناہی اور حسنِ توفیق سے بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزاً حکیما کی تفسیر معقولاً و منقولاً پوری ہوئی۔ اور بدلائل قاہرہ قویہ و براہین باہرہ ظاہرہ غیر مدفوعہ اور حجج قاطعہ و ساطعہ حضرت مسیح ؑ کا صعود الی السماء اور اب تک زندہ ہونا ثابت کیا گیا۔ اب مختصراً دیگر آیات مثبتہ رفع و حیات نقل کی جاتی ہیں اور اُن میں سے جو آیات مثبتہ نزول بھی ہیں اُن کا بالتفصیل بیان رسالہ نزول المسیح من السماء میں کیا جائیگا۔ انشاء اللہ العزیز +

تیسری آیت جس سے حضرت روح اللہ علیہ السلام کی حیات الی الآن اور نزول عینی فی آخر الزمان ثابت ہوتا ہے آیت وان من اھل الکتٰب الا لیومنن بہ قبل موتہ ویوم القیمۃ یکون علیھم شھیداً ہے۔ وجہ استدلال کی یہ ہے کہ لیومنن میں نون تاکید کا ہے۔ اور متون و شروح کتب نحو میں مصرح ہے کہ نون تاکیدی مضارع کو خالص استقبال کے لئے کر دیتا ہے۔ اور ماضی اور حال کے لئے نون تاکید نہیں آتا۔ اس مسئلہ میں کسی نحوی کو خلاف نہیں اور نہ کسی آیت قرآنی یا حدیث

نبوی صلعم یا کلام عرب عربا میں اسکے خلاف نون تاکید کا استعمال پایا گیا ہے چنانچہ امام ابن ہشام نحوی مغنی میں تحریر کرتے ہیں۔ واما المضارع وان کان حالا لم یوکد بہما وان کان مستقبلا اکد بہما وجوبا فی نحوتاالله لاکیدن اصنامکم انتہے (مغنی صـ۲۲ جلد ثانی) اسی طرح علامہ رضی شرح کافیہ میں فرماتے ہیں۔ واما فی المستقبل الذی ھو خبر محض فلابد خل الابعد ان ید خل علے اول الفعل ما یدل علے التوکید ایضا کلام القسم انتہے +

بعد اس تمہید کے واضح ہو کہ چونکہ آیت مانحن فیہا میں لیؤمنن مع لام قسم اور نون تاکید ثقیلہ کے ہے۔ اسلیئے مراد الٰہی اس آیت مبارکہ سے یہ ہوئی کہ آئندہ زمانہ میں ایک ایسا زمانہ آنیوالا ہے جس میں سب اہل کتاب حضرت عیسے علیہ السلام پر حضرت آپکے مرنے سے پہلے ایمان لے آوینگے اور آپ ان پر قیامت کے دن شاہد ہونگے موافق محاورہ کتاب وسنت وقواعد نحو وکلام عرب عربا اس آیت کے صحیح معنے یہی ہیں اور جتنے معنے اس کے سوا ہیں وہ سب غلط اور باطل ہیں۔ پس چونکہ ابھی تک اتفاقِ اہل کتاب قاطبۃً عیسے علیہ السلام پر ایمان لانے پر متحقق نہیں ہوا لہذا آپ ابھی تک فوت بھی نہیں ہوئے۔ وھذا ھو المراد والحمد لله علے حسن توفیقہ۔

اس آیت کو اپنے ماقبل سے دو ارتباط ہیں اول یہ کہ جب آیت بل رفعہ الله الیہ میں مسیح علیہ السلام کا صعود الی السمآء مذکور ہوا تو سامع کے دل میں ایک سوال پیدا ہوتا تھا۔ کہ حضرت مسیح علیہ السلام آسمان سے کبھی نازل بھی ہونگے یا نہیں؟ سو الله تعالی نے بطور استیناف (جواب سوال مقدر) فرمادیا۔ کہ زمانہ اخیر میں آپ نزول فرما ہونگے اور اُن کے نزول کے وقت یہ ہوگا کہ اہل کتاب بالاتفاق آپ پر ایمان لے آوینگے۔ دوم یہ کہ چونکہ اس مضمون کا شروع یسئلک اھل الکتب ان تنزل علیھم کتابا من السمآء الایۃ سے ہے اور اس میں اہل کتاب

یہود کا جناب سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اقتراحًا یہ سوال پیش کرنا ہے کہ ہم آپ پر تب ایمان لاوینگے جب آپ ہم پر آسمان پر سے کتاب نازل کر دکھلائیں سو اللہ تبارک وتعالی نے اپنے حبیب صلعم کو اس سوال کے دو جواب تعلیم فرمائے اوّل یہ ظاہر کیا کہ ایسے ایسے مقترحات کا پیش کرنا انکی موروثی اور جدی عادت ہی چنانچہ انہوں نے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان رکھنے کے آپ سے اس سے بھی بھاری سوال کیا یعنے یہ کہا کہ ہم کو اللہ تعالیٰ ظاہر دکھا اور انہوں نے فلاں شرارت کی اور فلاں فعلِ قبیح اور خُلقِ شنیع کے مرتکب ہوئے۔ اسی سلسلۂ ذکر شناعات یہود میں اُن کا یہہ قول بھی ذکر کیا کہ وہ فخریہ طور پر کہتے ہیں کہ ہمنے مسیح عیسے ابن مریم رسول اللہ کو قتل کر ڈالا۔ حالانکہ مسیح علیہ السلام کو نہ تو انہوں نے قتل کیا اور نہ صلیب پر چڑھایا۔ ولیکن اس شخص کو سولی پر چڑھا کر قتل کیا جس پر حضرت مسیحؑ کی شکل وشباہت ڈالی گئی تھی۔ الی قولہ بل رفعہ اللہ الیہ وکان اللہ عزیزاً حکیما پس اس ذکر کے ضمن میں اول تو آیت ما نحن فیہا میں اس طور پر تقریع وتبکیت یہود پائی گئی کہ جس کی نسبت یہود فخریہ طور پر بے باکانہ یہ اخبار سرو پا اور افواہ اُڑا رہے ہیں کسی زمانہ میں یہود اس نبی برحق روح اللہ علیہ السلام کے سامنے سخت پست اور ذلیل ہو کر ایمان لاوینگے ثانیاً اس طور پر کہ جو کتاب ہم اپنے حبیب صلعم پر بواسطہ رسول امین یعنے جبرئیل علیہ السلام نازل کر رہے ہیں وہ اسی طریق پر نازل ہوتی رہیگی یہود کے اقتراح بیجا پر اس کا طریق تنزیل بدل نہیں سکتے۔ ہاں ہم زمانہ اخیر میں مسیح ابن مریم علیہ السلام کو انکی سرکوبی اور تذلیل کے لیے پھر نازل کرینگے۔ یہہ تو جواب اول کی تقریر ختم ہوئی۔ حاصل یہ کہ یہود کے ایسے ناشائستہ وبیجا مقترحات سے دل تنگ نہیں ہونا چاہیے۔ یہ اُن کی عادتِ متوارثہ ہے۔ جواب ثانی یہ تعلیم فرمایا۔ انا اوحینا الیک کما اوحینا الی نوح والنبیین من بعدہ الایہ اور یہ احسن الخطابات میں سے ہے +

بیان بالا سے واضح ہے کہ اس آیت کو نزولِ عیسیٰ علیہ السلام سے بہت کچھ تعلق ہے اسلئے اس کی تفسیر بالاستیفا رسالہ نزول المسیح من السماء میں کی جائیگی انشاء اللہ تعالےٰ اور اسی رسالہ میں قبل موتہٖ کی ضمیر کا علی التحقیق عیسےٰ علیہ السلام کی طرف عاید ہونا ثابت کیا جائیگا۔ اور نیز یہ کہ ابن عباس رضؓ سے بھی بہ سند صحیح یہی مروی ہے۔ جیسا کہ صحیح بخاری کی شرح مثل فتح الباری۔ ارشاد الساری اور عمدۃ القاری اور تفسیر ابن کثیر۔ ابی السعود اور فتح البیان میں بالتصریح مذکور ہے۔ اور نیز یہ کہ کتابی کی طرف ارجاعِ ضمیر روایۃً و درایۃً ضعیف ہے۔ واللہ الموفق وھو نعم المعین ؛

چوتھی آیت جس کی حضرت روح اللہ علیہ السلام کا رفع اور نزول اور حیات الی الآن ثابت ہے آیت سورہ زخرف وانہ لعلم للساعۃ ہے یعنی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول علامات قیامت میں سے ہے۔ پس چونکہ نزول مستلزم صعود ہے اذ لا یتصور نزول البشر من السماء الا بعد صعودہ الیھا اسلئے یہ آیت مثبت صعود بھی ہے اور چونکہ زمان ماقبل النزول میں حیات ضروری ہے اس لئے یہ آیت مثبت حیات بھی ہے مفصل تحقیق مع دیگر معارف و لطایف متعلقہ آیت رسالہ نزول المسیح من السماء میں کیجائیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ ؛

پانچویں آیت جس سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا رفع الی السماء ثابت ہے آیت ومن المقربین ہے وجہ استدلال یہ ہے کہ صفت مقرب قرآن شریف میں تین موقعہ پر وارد ہے۔ اول اسی آیت میں مسیح علیہ السلام کے شان میں۔ دوم۔ فرشتوں کے لئے آخر سورہ نساء میں رفع مسیحؑ کے تھوڑا آگے فرمایا۔ لن یستنکف المسیح ان یکون عبد اللہ ولا الملئکۃ المقربون۔ سوم جنتیوں کے لئے سورہ واقعہ میں فرمایا اولئک المقربون فی جنت النعیم ؛ ان ہر سہ مقامات میں قُربِ جسمی حسّی۔ سماوی۔ ملحوظ ہے نہ فقط رتبی۔ ولو اردنا بلا زم

معناہ فلا یضر ناج الضال لان المعنی الحقیقی للفظ یجتمع معہ لازم معناہ وھذا الرسم ھو المصطلح عند علماء البیان بالکنایۃ کما ھو مصرح فی کتب البلاغۃ وقد مر ذلک آنفا فلا فائدۃ فی الاعادۃ۔ عیسیٰ علیہ السلام کو جو بکلمۂ تبعیض من المقربین فرمایا تو مراد ان مقربین سے ملائکہ مقربین ہیں جو آیت نساء میں بالتنصیص مذکور ہیں اور فرشتوں کا مقر طبعی آسمان ہے۔ پس جب عیسیٰ علیہ السلام ان میں سے ایک فرد ہوئے تو آپ کا صعود ثابت ہو گیا۔ تفاسیر معتبرہ مثل تفسیر کبیر۔ ابی السعود۔ مدارک خازن۔ بیضاوی۔ سراج منیر۔ کشاف اور فیضی ان سب تفاسیر میں اس آیت کی ذیل میں رفع الی السماء کو ذکر کیا ہے چنانچہ تفسیر کشاف میں ہے وکونہ (من المقربین) رفع الی السماء وصحبۃ الملائکۃ اور تفسیر سواطع الالہام میں ہے۔ لصعودہ مصاعد السماء وادراکہ مدارک الملک ✣ چھٹی آیت جو مثبت رفع حضرت روح اللہ ہے وہ آیت لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للہ ولا الملائکۃ المقربون ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ مناط شرک نصاریٰ تین امر ہیں اور انہیں کے سبب نصاریٰ کو وہم الوہیت مسیح پیدا ہوا۔ اول ولادت مسیح بلا پدر۔ دوم ظہور معجزات عجیبہ۔ سوم رفع الی السماء۔ یہ ہر سہ امور دو حال سے خالی نہیں یا تو مسیح کی نسبت صحیح ہیں یا نہیں اگر صحیح نہیں تو قرآن شریف میں حسماً لمادۃ شرک النصاریٰ ان سب کا ابطال و تردید چاہئے اور اگر صحیح ہیں تو پھر یہ ثابت کرنا چاہئے کہ یہ امور مقتضی الوہیت نہیں ہو سکتے۔ ناقد بصیر ممارس کتاب اللہ پر ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان امور کو باطل نہیں کہا بلکہ ان کو ثابت رکھ کر یہ ظاہر کیا ہے کہ یہ امور مقتضی الوہیت نہیں ہو سکتے۔ چنانچہ وجہ اول یعنی ولادت بلا پدر کو آدم کی پیدائش سے توڑا اور فرمایا ان مثل عیسیٰ عند اللہ کمثل آدم خلقہ من تراب ثم قال لہ کن فیکون اور یہ من باب تمثیل الغریب بالاغرب ہے وجہ دوم یعنی ظہور خوارق کو آیت ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الآیۃ سے توڑا

اور ظاہر کیا کہ ظہور خوارق دیگر انبیاء رح کے ہاتھ بھی ہوا ہے اسلئے یہہ وجہ بھی مثبت لاہوتیت نہیں ہو سکتی۔ مثلاً موسیٰ علیہ السلام کے معجزہ سے آپکے عصا کا سانپ بنجانا عیسے رح کے معجزہ احیاء موتیٰ سے اعجب ہی کیونکہ میت وہ چیز ہے جو کسی وقت زندہ ہو اور پھر اُس سے حیات منتزع ہو اور لکڑی ایسی چیز ہے جس کے شان سے حیات نہیں + وجہ سوم یعنے رفع الی السماء کو آیت لن یستنکف المسیح الآیۃ سے توڑا اور ظاہر کیا کہ ملائکہ مقربین اور حملۂ عرش رفع آسمانی میں حضرت روح اللہ سے ارفع ہیں۔ پس یہ وجہ بھی مقتضی لاہوتیت نہیں ہو سکتی بادنیٰ تامل ظاہر ہے کہ اس پچھلی آیت میں ان ہر سہ وجوہ کا جواب ہے۔ کیونکہ ملائکہ کی پیدائش بھی بغیر اسباب کے محض کلمہ کن سے ہو اور اظہار خوارق میں بھی بشر سے زیادہ طاقت رکھتے ہیں اور رفع سماوی میں بھی اکثر ان میں سے حضرت عیسیٰ سے زیادہ بلند ہیں۔ پس عیسیٰ رح کا رفع مع دیگر خوارق کے اسی ایک آیت سے ہی ثابت ہے۔ اس آیت کے ذیل میں رفع عیسے رح کو ذکر کرنیمیں بندہ منفرد نہیں ہے۔ بلکہ علامہ ابو السعود تفسیر ارشاد العقل السلیم الی مزایا الکتاب الکریم میں یہی لکھتے ہیں + ساتویں آیت مثبت حیات حضرت روح اللہ رح ویکلم الناس فی المھد وکھلا ومن الصلحین ہی وجہ استدلال یہ ہی کہ اللہ تعالےٰ نے اس آیت میں مسیح رح کو صفت تکلم فی المھد اور تکلم فی الکھولۃ سے موصوف فرمایا اور یہ دونو معجزے ہیں جیسا کہ سورۂ مائدہ کی آیات تذکیر انعامات سے واضح ہے اذ ایدتک بروح القدس تکلم الناس فی المھد وکھلا پس جسطرح تکلم فی المھد ایک آیت اور معجزہ ہے اسی طرح تکلم فی الکھولۃ بھی امر خارق عادت ہی اور چونکہ کلام فی الکھولۃ بظاہر کوئی امر عجیب معلوم نہیں ہوتا۔ کیونکہ زمانہ کہولت میں سب بولنے والے کلام کیا کرتے ہیں اسلئے اس معجزہ عیسویہ کی صورت یہ ہوگی کہ اتنے زمانہ دراز تک جسم کا بغیر طعام وشراب زندہ رہنا اور اس میں کسی قسم کا تغیر واستحالہ واقع نہ ہونا امر خارق عادت ہی ورنہ تخصیص مسیح کی کوئی وجہ نہیں۔ تفسیر معالم وغیرہ میں اس آیت کو مثبت نزول عیسے علیہ السلام ذکر کیا ہے

لہذا اسکی مزید توضیح رسالہ نزول المسیح ع من السماء میں کی جائیگی۔ انشاء اللہ تعالیٰ۔ آٹھویں
آیت مثبتہ حیات ورفع ونزول حضرت روح اللہ ع وکنت علیہم شہیدا ما دمت
فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم وانت علی کل شیٔ شہید ہو آیت انی
متوفیک ورافعک الی اور بل رفعہ اللہ الیہ کی تفسیر میں امور مندرجہ ذیل بربسط محقق ہو چکے
ہیں اوّل توفی کا مدلول وضعی موت نہیں ہے بلکہ اس کے معنی اخذ الشیٔ وافیاً یعنے کسی
چیز کو بتمامہ لے لینا ہیں۔ دوم چونکہ اس اخذ وقبض کی انواع متعددہ ہیں اور منحصر
بیک کیف نہیں اسلئے تعیین نوع کیلئے وجود قرینہ ضروری ہے۔ سوم رافعک الی اور
بل رفعہ اللہ الیہ رفع الی السماء کیلئے نصوص قطعیہ ہیں کیونکہ رفع الی اللہ اور رفع الی السماء
مساوق فی المعنے ہیں جیسا کہ آیت الیہ یصعد الکلم الطیب والعمل الصالح یرفعہ سے
ثابت کیا گیا ہے۔ پس رافعک الی اور بل رفعہ اللہ الیہ مسیح ع کی توفی سے رفع آسمانی مراد
لینے کے لئے قرائن قویہ ہیں لہذا بنظر آیات مثبتہ رفع فلما توفیتنی سے مراد فلما رفعتنی الی السماء
ہوگی نہ کچھ اور چنانچہ تفاسیر معتبرہ مبسوطہ وغیرہ میں توفیتنی سے مراد رفعتنی لکھا ہے۔ سالک
شاہراہ الیقین کیلئے اس بیان میں کفایت ہے مگر متعسف کجرو پر اتمام حجت کیلئے مزید توضیح حصہ
دوم میں کی جائیگی انشاء اللہ تعالیٰ ۵ کادیانی علیہ ما علیہ کا یہ قول ہے کہ حضرت مسیح ع نے
معاذ اللہ اہانت صلیب برداشت کرنیکے بعد جو وجاہت کے منافی ہے کشمیر کی طرف ہجرت
کی اور وہاں ستاسی سال زندہ رہکر فوت ہو گئے۔ کادیانی نے اس ہجرو دروغ بیفروغ
سے آپ اپنے پاؤں کلہاڑا مارا کیونکہ کلمہ فلما توفیتنی سوال الٰہی انت قلت للناس الآیۃ کے جواب میں
واقع ہے۔ پس اسجگہ توفی سے مراد موت نہیں ہو سکتی۔ کیونکہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اہل کشمیر
نے الٰہ نہیں ٹھیرایا۔ بلکہ اہل شام اور اسکے قرب وجوار کے اشخاص نے + پس بموجب قول کادیانی
اہل شام (جنہوں نے آپ کو اتخاذ الٰہ من دون اللہ کا ارتکاب کیا تھا) انکی خبر حضرت عیسیٰ ع
سے بوجہ ہجرت الی الکشمیر آپ کی وفات سے ستاسی سال پیشتر منقطع ہو چکی ہے۔ اور اس

ستاسی سال کی حیات مزعومہ کا دیانی میں عیسیٰ ؑ کو اہل شام کے تغیر عقاید کی کوئی خبر نہیں کہ پیچھے انہوں نے کیا بنا لیا۔ پس سوال ءانت قلت للناس کے جواب میں عذر موت صحیح نہیں ہے بلکہ عذر خروج الی الکشمیر چاہیے۔ جب بدیں صورت ایک پیغمبر حق تعلیم کردہ حضرت حق جل وعلا کے جواب میں نوح واقع ہوتی ہے تو بالضرور معلوم ہوا کہ توفی سے مراد موت نہیں ہے اور چونکہ حضرت عیسیٰ ؑ کا مرفوع الی السماء ہو کر اقوال نصاریٰ سے بیخبر ہو جانا جواب باصواب ہے اور یہہ ثابت بھی ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام کی توفی بالرفع الی السماء ہوئی ہے تو اس لئے توفیتنی کے معنی رفعتنی الی السماء ہیں نہ کچھ اور چنانچہ تفسیر سواطع الالہام میں ہے (فلما توفیتنی) اراد اعلاءہ مصاعد السماء اور تفسیر کبیر اور خازن میں ہے (فلما توفیتنی) یعنی فلما رفعتنی الی السماء الخ اسی طرح دیگر تفاسیر میں ہے۔ نویں آیت مثبت رفع الی السماء وجعلنی مبارکاً اینما کنت ہے۔ وجہ استدلال یہ ہے کہ برکت خیر کثیر اور علو کو کہتے ہیں جیسے آیت لفتحنا علیھم برکات من السماء والارض میں برکت سے مراد خیر کثیر اور زیادہ نعمت ہے اور آیات صفات مثل فتبارک اللہ رب العالمین اور احسن الخالقین اور تبارک الذی بیدہ الملک اور نزل الفرقان اور ان بورک من فی النار میں برکت سے مراد علو ہے۔ اور واضح ہو کہ حضرت روح اللہ علیہ السلام میں یہ ہر دو امر باحسن وجہ پائے جاتے ہیں۔ خیر کثیر مادر زاد اندھوں اور کوڑھیوں کو چنگا کرنے اور مردوں کے زندہ کرنے اور نزول مائدہ کی دعا کے قبول ہونے سے ظاہر ہے اور وہ برکات وخیرات جو آپ کے نزول پر ہونگی مثلاً دشمنی اور بغض اور حسد کا دور ہو جانا اور مال کا کثرت سے ہو جانا اور پھلوں اور دودھ کا معمول سے زیادہ ہو جانا اور شیر اور بکری کا باہم امن سے چرنا وغیرہ ذالک۔ اور معنی ثانی یعنے علو آیت بل رفعہ اللہ میں مصرح ہے وہ بھی آپ کو حاصل ہے۔ پس جعلنی مبارکا اینما کنتُ احوال ثلثہ قبل رفع اور زمان رفع اور بعد نزول ہر سہ اسی

حاکی ہے اسی لئے ایما گنت جس کا مفاد اتساع ہے فرمایا فافہم وتدبر ۔ اس آیت کے ذیل میں رفع الی السماء کی تصریح تفسیر کبیر اور سراج منیر میں موجود ہے ۔

دوسری قسم دلیل کی جس سے ہرسہ امور یعنی صعود الی السماء اور حیات الی الآن اور نزول فی آخر الزمان ثابت ہیں - احادیث صحیحہ صریحہ ہیں جو بموجب آیات مندرجہ ذیل کے واجب القبول ہیں (۱) وما کان لبشر ان یکلمہ اللہ الا وحیا او من ورائ حجاب او یرسل رسولا فیوحی باذنہ ما یشاء انہ علی حکیم (شوریٰ) (۲) وما ینطق عن الھوی ان ھو الا وحی یوحی (۳) وما اٰتکم الرسول فخذوہ وما نھکم عنہ فانتھوا (حشر) (۴) ثم ان علینا بیانہ (القیمۃ) مفصل تشریح احادیث نزول کی رسالہ نزول میں کیجائے گی - انشاء اللہ تعالیٰ - اس جگہ دو حدیثوں پر اکتفا کیا جاتا ہے جنمیں من السماء کی تصریح ہے -

الحدیث الاوّل روی البیھقی فی کتاب الاسماء والصفات عن ابی ھریرۃ انہ قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ والہ وسلم کیف انتم اذا نزل ابن مریم من السماء فیکم وامامکم منکم اس حدیث میں آسمان سے نازل ہونیکی تصریح منصوص ہے - الحدیث الثانی ابن عساکر نے ابن عباس رضؓ سے روایت کیا کہ رسول اللہ صلعم نے فرمایا فعند ذلک ینزل اخی عیسےٰ ابن مریم من السماء ۔ ان ہر دو احادیث میں تصریح سماء موجود ہے اگر کوئی مُصر - متکبر - ہٹ دھرمی کو نہ چھوڑے - اور عقائد باطلہ مرزائیہ سے باز نہ آوے تو اس کی اپنی کمبختی - ہمارا کام تو اتمام حجت ہے سو ہم نے کر دیا اور اُن کی ہر جگہ کی طلب کو پورا کر دیا - جناب مرزا صاحب ! بندہ بڑے ادب سے التماس کرتا ہے کہ آپ نبی صلعم کی اتنی تصریح پر بھی دعوے مسیحیت پر اصرار کرتے ہیں اور شرم وحیا کو خیال میں لا کر باز نہیں آجاتے - بندہ آپ کو بموجب حدیث نبوی صلعم انصر اخاک ظالما ومظلوما بڑے اخلاص اور خیر خواہی سے

نصیحت کرتا ہے کہ جب شہادتِ قرآن عظیم سے حق واضح ہوگیا اور اسپر شمس ہدایت نے
چمک کر ظلمتِ غوایت کو دُور کر دیا اور سیفِ برّان نے عرقِ نزاع قطع کر کے حجت پوری کر دی
توبھی باطل پر اصرار کرنا بے جا ہے۔ "دُنیا روزے چند آخر کار با خداوند" کو دستور العمل
بنا کر عقاید باطلہ سے توبہ کریں ابھی موت سے پیشتر بہت وقت ہے پیچھے پچتانا کام نہ آویگا۔
اور اگر ضرب سیف سے آپکی عرقِ انصاف وحیا بھی ساتھ ہی کٹ گئی ہے تو بھی
دستخط خاص سے اس کتاب کے جواب سے سرفراز فرماویں اور اگر آپ نے
ان دلائل مذکورہ کو باطل ثابت کر دیا اور حضرت روح اللہ علیہ السلام کی موت قبل النزول
کو صرف قرآن شریف سے ثابت کر دیا تو بندہ
آپ کا شکر گزار ہو جائیگا۔ اس کتاب کو میری طرف سے خواہ
آپ تحفہ سمجھیں خواہ خط تصور کریں اور اس میں جہاں کہیں اپنا ذکر سمجھیں اُسے
کوئی فرضی شخص جو اس قول کا قائل ہو خیال فرماویں اور جواب سے سرفراز فرماویں ✣
تیسری قسم دلیل کی اجماع اُمت ہے۔ جمیع اہل سنت سلف وخلف کا اعتقاد
یہی ہے کہ عیسےٰ علیہ السلام آسمان پر اُٹھائے ہوئے ہیں۔ اور زمانہ اخیر میں نازل
ہونگے۔ اجماع امت جمہور کے نزدیک دلائل اربعہ میں سے ایک دلیل ہے اور
اسپر قول الٰہی کنتم خیر امۃ اخرجت للناس الایہ اور حدیث نبوی صلعم
لا تجتمع اُمتی علی الضلالۃ شاہد ہے ۔ مفصل تحقیق رسالہ نزول المسیح میں کیجائیگی ان شاء اللہ
وھذا اٰخر ما اردنا ایرادہ فی ھٰذہ العجالۃ والحمد للہ الذی بنعمتہ تتم
الصالحات والصلوٰۃ والسلام مع اکرم التحیات علی رسولہ محمد
خاتم من ارسلہ بالاٰیٰت البینات والمعجزات القاھرات الباھرات
والدلائل الواضحات الظاھرات وعلی اٰلہ الاطہار واصحابہ الاخیار
وخلفائہ الابرار وازواجہ المطہرات ✣

تقریظ عالم نبیل فاضل جلیل صوفی محقق شیخ مدقق

حضرت پیر مہر علیشاہ صاحب ساکن گولڑہ افاض اللہ علینا من فیوضہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

الحمد للہ فالق الحب والنوے الخالق لکل فرعون موسے والصلوٰۃ والسلام علی سید المرسلین صاحب الشفاعۃ الکبرے وآلہ وصحبہ اہل التقے والنقے + اما بعد رسالہ مؤلفہ جناب مولوی محمد ابراہیم صاحب سیالکوٹی کا نظر ناقص سے گذرا جسنے اہل اسلام کو الحاد اور تحریف سے بچانے کی وجہ سے ممنون اور مامون فرمایا۔ لاریب (فہمٌ اعطیہٗ رجلٌ مسلمٌ) کے زیور کی سجاوٹ اور پھبن سے بہ نسبت زمانہ حال کی تالیفات کے جداگانہ جھلک دکھاتا ہے۔ فللہِ درّ المؤلف۔ حیث ارے الناظر کل کلمۃ من الکلمات القرانیۃ سلطان دا ن ھا وکل اٰیۃ من الاٰیات القرقانیۃ برھان جارھا۔ وان ما توھم فیھا من التکرار فمن رمد الابصار۔ اللّٰھم اید الاسلام والمسلمین واخذل الملاحدۃ والمبتدعین بطول حیوتہ واعف عن سیاٰتہ وضاعف حسناتہ واٰخر دعوینا ان الحمد للہ رب العلمین والصلوٰۃ والسلام علی خاتم النبیین وآلہ وصحبہ اجمعین +

العبد

الملتجی الی اللہ المدعو بہ مہر علیشاہ عفی عنہ از گولڑہ

(کاتب عاجز برکت اللہ سیالکوٹی)